ماہنامہ

اہل السنۃ
Ahl Us Sunnah
August 2022
اگست ۲۰۲۲ء

- باطل سے اتحاد کے لئے حق سے اختلاف
- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کی عمر
- نواسۂ رسول حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت
- آزمائش: رحمت یا زحمت

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
127
نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

حرمت والے مہینے میں پامال ہوتی حرمتیں

محرم الحرام کا مہینہ نہ صرف یہ کہ اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے بلکہ یہ حرمت والے ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جن میں ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان بھائیوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے، مگر ذرا اعداء اسلام کی گہری چال تو دیکھیے کہ حرمت والے اس عظیم مہینے میں ان مقدس ہستیوں کی حرمتیں پامال کی جاتی ہیں جو ہمارے عقیدے کے مطابق انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل لوگ ہیں۔ واقعۂ کربلا تو محض ایک بہانہ ہے، اسے بنیاد بنا کر ان بزرگ ہستیوں پر کیچڑ اچھالے جاتے ہیں جنہیں خود رب العالمین نے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کا پروانہ عطا فرمایا ہے۔ جانتے ہیں ان نفوسِ قدسیہ پر سب وشتم کے پیچھے اصل عزائم کیا ہیں؟ اس کے پسِ پردہ حقیقی مقاصد کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام دین کے مصادرِ اصلیہ قرآن وحدیث کے ناقل ہیں، امت تک کتاب وسنت کو پوری امانت داری سے پہنچانے والے یہی لوگ ہیں، جب یہی لوگ سندِ اعتبار کھو دیں، جب یہی لوگ منافق اور بدطینت ٹھہریں، جب انہی کے دلوں کو اخلاص سے خالی قرار دے دیا جائے تو پھر اس دین کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے جو ان کے توسط سے ہمیں ملا؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام کی عدالت وثقاہت میں رخنہ اندازی خود دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی ہے، جب یہی لوگ معتبر نہیں تو پھر دین کا اعتبار کہاں رہا؟

ہائے کیسی افسوس کی جا اور حیف کا مقام ہے کہ جس مہینے میں ایک عام مسلمان کی عزت و آبرو انتہائی محترم قرار دی گئی ہے اس میں رسول کے چہیتوں کو گالیاں دی جاتی ہیں، جو دین عام مُردوں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے اسی دین کا نام لے کر اور کذاب ودروغ گو راویوں کے قصے کہانیوں کو بنیاد بنا کر خیر القرون کے لوگوں کو لعنت ملامت کی جاتی ہے، کربلا کے ڈانڈے سقیفۂ بنی ساعدہ سے ملائے جاتے ہیں اور سائے کی طرح رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے اصحابِ کرام پر تبرا بازی ہوتی ہے۔

شیطان بھی کتنا ہوشیار ہے، دین کی جڑیں کھودنے کے لیے خود دین کو مہرہ بنایا، حق کے لبادے میں باطل کی تعلیم دلوائی۔ کبھی صحابہ کے منہج سے ہٹا کر خارجیت کو پروان چڑھایا، کبھی محبتِ اہلِ بیت اور آل رسول کے نام پر صحابہ کو گالیاں دلوائی، کبھی صحابہ کی محبت کے نام پر اہلِ بیت سے بغض دلوں میں بھرا اور ناصبیت کو جنم دیا، مگر اہلِ حق ان سب سے بری ہیں۔ ان کے یہاں صحابہ کی سچی محبت وعقیدت بھی ہے اور انہی کا عقیدہ ومنہج بھی، اہلِ بیت کا حقیقی ادب واحترام بھی ہے اور ان کی بتائی ہوئی صحیح راہ بھی۔ ان کے یہاں حبِّ علی کے پردے میں بغضِ معاویہ نہیں ہے، ان کے نزدیک اسلام کربلا سے پہلے بھی زندہ تھا، آج بھی زندہ ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت زندہ رہے گا۔

ڈاکٹر عبد الغفار سلفی، بنارس

Ahlus Sunnah Volume No.10, Issue No.127, August, 2022

ماہنامہ

اگست ۲۰۲۲ء

فی شمارہ Rs. 30/-
سالانہ Rs. 300/-

جلد: ۱۰
شمارہ: ۱۲۷

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبید الرحمٰن مدنی ● شیخ نور الحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

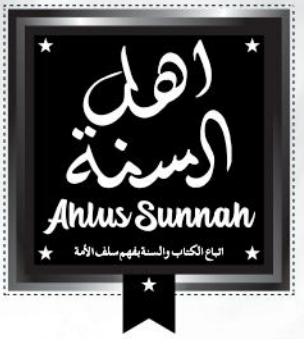

اھل السنة

Ahlus Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

باطل سے اتحاد کے لئے حق سے اختلاف	کفایت اللہ سنابلی	05
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کی عمر (قسط اول)	مولانا عبدالرحمٰن مئوی اعظمی	08
مصنف کی طرف کتاب کی نسبت ثابت کرنے کے ضوابط اور۔۔۔	فاروق عبداللہ نراین پوری	17
کھانے کی دعوت قبول کرنے کے بعد غیر حاضر نہ ہوں	ابواُسید شفیق عدیل محمدی	24
نواسۂ رسول حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت	ابوالبیان رفعت سلفی	26
آزمائش: رحمت یا زحمت (قسط اول)	عتیق الرحمٰن سلفی	30
عقیدۂ واسطیہ سے متعلق چند سوالات	عامر انصاری	34
آصف حسین رافضی اپنی تحریر کے آئینے میں۔۔۔ (قسط ثانی)	انصاری محبوب	38
تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (آٹھویں قسط)	کفایت اللہ سنابلی	42

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

باطل سے اتحاد کے لئے حق سے اختلاف

کفایت اللہ سنابلی

آج ہر چہار جانب سے امت مسلمہ میں اتحاد کے نعرے لگ رہے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن ذریعہ کی تلاش اور اس پر عمل کی کوششیں جاری ہیں حالانکہ قرآن وحدیث میں واضح طور پر اختلاف کے اسباب اور اتحاد کے ذرائع کی طرف نشاندہی کردی گئی ہے، لیکن افسوس کی قرآنی ارشادات ونبوی تصریحات کی روشنی میں اختلاف دور کرنے اور اتحاد قائم کرنے کی کوشش کے بجائے اپنی عقل وتجربہ کی بنیاد پر اتحاد امت بلکہ اتحاد انسانیت کے لئے کوششیں کی جارہی ہیں۔

اور آج مصلحت پرستوں نے اتحاد کا سب سے بہترین فارمولہ یہ اپنالیا ہے کہ جو لوگ ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان کی کچھ باتوں کو قبول کرلیا جائے گرچہ ان کا بطلان اظہر من الشمس ہو۔

اس میں شک نہیں اس فارمولہ سے بھی کسی حد تک اتحاد ممکن ہے مگر اتحاد کے خاطر ایسے سمجھوتے کی قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں، بلکہ صراحت کے ساتھ اس سے منع کردیا گیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے، جو اللہ نے بتایا ہے ورنہ اگر اُس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے'' [البقرۃ: ۱۲۰] [ترجمہ مودودی]

اس آیت میں اہل باطل کے ساتھ اتحاد اور ان کی رضا کے حصول کے لئے ایک کامیاب ذریعہ بتلایا گیا، اور وہ ہے اہل باطل کے باتیں قبول کرلینا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کارآمد ذریعہ اس لئے نہیں بتلایا تھا کہ اس پر مکمل نہ سہی تو جزوی طور پر ہی عمل کرکے اغیار کی خوشنودی حاصل کی جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ ذریعہ گرچہ کارآمد ہے مگر اس پر عمل، اغیار کی خواہشات کی پیروی کرنا ہے، اور علم وحقائق کے واضح ہوجانے کے بعد یہ طرز عمل الٰہی نصرت وتائید سے محرومی کا ذریعہ بھی ہے، گرچہ دنیا سوی اتحاد اس سے حاصل ہوجائے، فرمایا:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

''اگر اُس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آ چکا ہے، تم نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے'' [البقرۃ: ۱۲۰][ترجمہ مودودی]

مگر افسوس کہ آج مدعیان اسلام کا ایک پورا گروہ ہے جو جزوی طور پر اس فارمولہ پر عمل پیرا ہے اور اغیار کی نصرت و حمایت کے حصول کے خاطر اللہ کی نصرت تائید کا سودا کر رہا ہے، چنانچہ:

کوئی سزائے رجم کا انکار رہا ہے۔

کوئی بے پردگی کی حمایت کر رہا ہے۔

کوئی قربانی کے خلاف احتجاج کر رہا ہے۔

کوئی شاتمین رسول کے تحفظ پر کتابیں لکھ رہا ہے۔

کوئی شراب نوشی، حرام خوری اور فحاشیت کو جائز بتلا رہا ہے۔

کوئی خواتین کو خطبۂ جمعہ اور مردوں کے ساتھ قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملا کر نماز پڑھنے کی تعلیم دے رہا ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ مفتیان کرام نے تو موسیقی اور خواتین اسلام کے لئے اہل کتاب سے شادی تک کی اجازت دے دی، اور اس کے لئے قرآن وحدیث سے دلائل بھی فراہم کر دئے۔

ان تمام گمراہیوں کی وجہ کم علمی نہیں بلکہ اغیار کی رضا جوئی ہے، آج دنیاوی ترقی یافتہ قوم کو خوش کرنے کے لئے اور ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے باطل کے ساتھ سمجھوتہ کیا جا رہا۔

یہ طرز عمل عموماً مفکرین کا ہوتا ہے لیکن ایسے علمائے دین کی بھی کمی نہیں ہے جو آئے دن اہل بدعت کی تائید وتصویب کرتے جاتے ہیں تا کہ وہ ان سے خوش رہیں، اور نتیجتاً ہمارے اور ان کے بیچ اتحاد وامن ومان قائم ہو، چنانچہ اسی فارمولہ پر عمل کرتے ہوئے:

☆ کوئی حادث، عطائی اور محدود کا فلسفہ پیش کر کے انبیاء کے لئے بھی علم غیب کا اثبات کر رہا ہے۔

☆ کوئی عقائد میں اشعری فکر کی حمایت میں سرگرم ہے۔

☆ کوئی رفع الیدین میں جواز الامرین کا قائل ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ ماضی میں فہم ومعرفت میں تفاوت کی بنا پر بھی ان امور میں اختلافات ہوئے ہیں مگر آج قیام اتحاد کے پیش نظر ان اختلافی امور میں رائے قائم کی جا رہی۔

مولانا مودودی صاحب بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اتحاد امت کے لئے کوششیں کی ہیں اور اس

اتحاد کی خاطر بہت سارے دینی وشرعی مسائل میں جواز الامرین اور مباح کا تسلسل عام کردیا، خواہ یہ مسائل اوامرو منہیات ہی کے قبیل سے کیوں نہ ہوں۔

اسی پر بس نہیں بلکہ موصوف نے شیعہ حضرات کے ساتھ بھی قدم سے قدم ملانے کی ٹھان لی اور انہیں بھی ساتھ لے کر ایک فلیٹ فارم پر متحد ہونے کی کوشش کی، اور ان کے ساتھ اتحاد کے لئے اسی فارمولے پر عمل کیا یعنی ان کے بعض گمراہ کن اور باطل افکار کی تائید وتصویب کردی اور ''خلافت وملوکیت'' کے نام پر خیر القرون کے مقدس گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر سب وشتم تک کو گوارا کرلیا تاکہ اسی طرح شیعہ حضرات قریب ہوسکیں اور ان کے ساتھ متحد ہونے کی راہ ہموار ہو۔

الغرض یہ کہ آج ایسے بہت سے لوگ ہیں جو باطل کے ساتھ اس لئے سمجھوتہ کررہے ہیں تاکہ وہ ان سے قریب ہوسکیں اور آج کی بھولی بھالی عوام اسے اختلاف رائے کا نتیجہ سمجھتی ہے مگر درحقیقت یہ ''باطل کے ساتھ اتحاد کے لئے حق سے اختلاف'' کا فارمولہ ہے، دنیا کی چند عارضی کوڑیوں کے لئے آخرت کی نعمتوں کی قربانی ہے، ضلالت وگمراہی کے لے ہدایت ومغفرت کا سودا ہے، حق ان کی نظروں میں روز روشن کی طرح عیاں ہے، مگر دنیا پرستی کی خاطر حق پوشی سے کام لے رہے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ. ذَلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾

''یقیناً جو لوگ اُن احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دُنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا، نہ اُنہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا، اور اُن کے لیے دردناک سزا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لے لیا کیسا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے'' [البقرة:١٧٤-١٧٦]

اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہوا ہے جو حق جاننے کے باوجود محض دنیاوی مفاد کی خاطر واضح غلطیوں بلکہ گمراہیوں پر بھی سمجھوتہ کرلیتے تھے۔

اللہ ہم سب کو ایسے افکار اور ایسے افکار کے حامل افراد کے شر سے بچائے، آمین

(قسط اول)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کی عمر

مولانا عبدالرحمٰن مئوی اعظمی ۔ ومولانا ابوالقاسم قدسی

اسلام سیاسی، مذہبی، ملکی، تاریخی ہر قسم کی جملہ خوبیوں کا حامل دین ہے۔اس میں جہاں تہذیب اور تزکیہء نفس کی تعلیم دی گئی ہے، وہاں گزشتہ اَقوام وملل کے حالات وواقعات بھی بتلائے گئے ہیں۔جس طرح قرآن وحدیث میں اَمثال وعبر اور بصائر وحکم ذکر کئے گئے ہیں، اسی طرح اُمم سابقہ کے اَخبار وقصص بھی جا بجا بیان کئے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مذہبی اَسفار وکتب کے علاوہ تواریخ وسیر میں بھی بے شمار کتابیں علماءِ اسلام کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ کیونکہ مذہبی حیثیت سے انہیں ان جملہ علوم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔جس طرح ان کے پاس مذہبی اَحکام و مسائل کا ایک نہایت اہم اور جامع مجموعہ ہے، اسی طرح تاریخی معلومات کا بھی اہم ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے۔

چنانچہ وہ مغربی اَقوام جنہیں آج اپنے علم وفضل اور تاریخ دانی پر بڑا ناز ہے، انہوں نے صاف لفظوں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اہل اسلام نے اپنے مذہب کے ماتحت اس فن میں جو کمال دکھایا ہے اور اپنے بزرگوں کی تاریخ کا جس قدر عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا ہے وہ تمام دنیا کے لیے قابل حیرانگی ہے۔

ائمہ اسلام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ ان بزرگوں نے نہ صرف قرآن وحدیث کے جمع وتدوین اور اس کی تالیف و تصنیف تک اپنی مساعی جمیلہ کو پھیلایا بلکہ تین سو برس تک کے ہزاروں لاکھوں امامانِ دین اور حاملانِ شریعت کے ہر ہر واقعہ کو قلمبند کر دیا۔اور ولادت سے وفات تک ان کے واقعات کو مع تاریخ وسال کتابی صورت میں جمع کر دیا۔

جس قوم کا مذہبی اور تاریخی معیار اس قدر بلند اور ہمہ گیر ہو کہ اس نے اپنی جماعت کے حالات وواقعات کے جمع و ترتیب میں اس قدر سعی بلیغ کی ہو اور تفتیش وتحقیق میں کسی قسم کا تغافل نہ برتا ہو، کیا اس کے لئے یہ ممکن ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی مقدس اور محترم ہستی کی نسبت اس قسم کا تغافل برتے کہ بجائے ۱۶/ برس کے آپ کے نکاح کی عمر کو ۶/ برس اور آپ کی رخصتی کی عمر کو ۱۹/ برس کے بجائے صرف ۹/ برس لکھ دے۔اور پھر چودہ صدیوں کے تمام مسلمان ایک خلافِ واقعہ امر کو آنکھ بند کئے مانتے چلے آئے ہوں۔اور اسی طرح اس چودھویں صدی میں اس کا انکشاف ہوا کہ آپ کے نکاح کی صحیح تاریخ ۱۶/ برس اور رخصتی ۱۹/ برس ہے۔

گویا آج تک کے تمام علماءِ اسلام، کیا فقیہ، کیا محدث، کیا مفسر اور کیا مؤرخ سب کے سب اس واقعہ کے متعلق

دس برس کی نہایت زبردست اور فاش غلطی کے جرم کا ارتکاب کرتے آئے۔(معاذ اللہ) کیونکہ سلف سے خلف تک کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح ۱۶؍برس اور بوقت رخصتی ۱۹؍برس کی تھی۔ بلکہ سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ جناب عائشہ کا نکاح چھ یا سات برس کی عمر میں ہوا تھا اور آپ کی رخصتی ۹؍برس کی عمر میں عمل میں آئی تھی۔

آپ کی تاریخ ازدواج کے متعلق کتبِ اسلامیہ کا متفقہ بیان:

چونکہ آپ کے واقعۂ نکاح کو مذہب، اَخلاق، معاشرت ہر ایک سے یکساں تعلق تھا، اس لئے علماءِ حدیث، فقہ، اور اصحابِ سیرت ہر ایک نے آپ کے واقعۂ نکاح کو لیا ہے اور سب نے یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ کی عمر بوقتِ نکاح چھ یا سات برس کی تھی اور بوقتِ رخصتی ۹؍برس۔ چنانچہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی ان چاروں کتابوں کی متفقہ روایت یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا بِنْتُ سِتٍّ سِنِينَ، فَقَدِمْنَا المَدِينَةَ فَنَزَلْنَا فِي بَنِي الحَارِثِ بْنِ خَزْرَجٍ، فَوُعِكْتُ فَتَمَرَّقَ شَعَرِي، فَوَفَى جُمَيْمَةً فَأَتَتْنِي أُمِّي أُمُّ رُومَانَ، وَإِنِّي لَفِي أُرْجُوحَةٍ، وَمَعِي صَوَاحِبُ لِي، فَصَرَخَتْ بِي فَأَتَيْتُهَا، لاَ أَدْرِي مَا تُرِيدُ بِي فَأَخَذَتْ بِيَدِي حَتَّى أَوْقَفَتْنِي عَلَى بَابِ الدَّارِ، وَإِنِّي لَأُنْهِجُ حَتَّى سَكَنَ بَعْضُ نَفَسِي، ثُمَّ أَخَذَتْ شَيْئًا مِنْ مَاءٍ فَمَسَحَتْ بِهِ وَجْهِي وَرَأْسِي، ثُمَّ أَدْخَلَتْنِي الدَّارَ، فَإِذَا نِسْوَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ فِي البَيْتِ، فَقُلْنَ عَلَى الخَيْرِ وَالبَرَكَةِ، وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ، فَأَسْلَمَتْنِي إِلَيْهِنَّ، فَأَصْلَحْنَ مِنْ شَأْنِي، فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضُحًى، فَأَسْلَمَتْنِي إِلَيْهِ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ" [صحيح البخاري: ج:٥، ح:٣٨٩٤، وصحيح مسلم: ج:٢، ح:١٤٢٢، وسنن ابن ماجة: ج:١، ح:١٨٧٦]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آنحضرت نے مجھ سے نکاح کیا، اس وقت میری عمر چھ برس کی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ (ہجرت کر کے) مدینہ گئے اور وہاں قبیلۂ بنی حارث میں قیام ہوا۔ اس کے بعد مجھے ایسا بخار آیا کہ سر کے تمام بال جھڑ گئے، پھر (از سر نو نکل کر) کندھوں تک ابھی پہنچے تھے کہ میری ماں (اُمّ رومان) میرے پاس آئیں اور میں اس وقت لڑکیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی۔ میں ماں کے پاس چلی گئی۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ آج کیا معاملہ ہونے والا ہے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر دروازہ پر (تھوڑی دیر) رکے رہیں۔ میری سانس (کھیل کی وجہ سے) چڑھ رہی تھی۔ جب سکون ہوا تو ماں نے پانی لے کر میرا منہ اور سر دھویا۔ پھر مکان میں لے کر گئیں۔ (گھر میں پہنچ کر دیکھتی ہوں کہ) انصار کی عورتیں وہاں موجود ہیں، وہ مجھے دعاءِ خیر اور مبارک باد دینے لگیں۔ ماں نے مجھے ان عورتوں

کے حوالہ کیا، انہوں نے میرا بناؤ سنگھار کیا۔ اب تک مجھے کچھ خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ اور پھر مجھے ان عورتوں نے آپ کے سپرد کردیا۔ اور اس وقت میری عمر کل ۹ ر برس کی تھی۔

ابوداؤد، نسائی، صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی یہ متفقہ روایت ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس واقعہ کی راوی بھی خود حضرت عائشہ ہی ہیں اور آپ خود اپنا واقعہ اپنی زبان سے بیان فرمارہی ہیں۔ اور نہایت صراحت کے ساتھ بتلارہی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں چھ برس کی عمر میں میرا آنحضرت سے نکاح ہوا۔ اور مدینہ منورہ میں ۹ ر برس کی عمر میں میری رخصتی ہوئی۔ کیا ایسی پختہ اور معتبر روایت مل جانے کے بعد بھی کسی اور طرف نظر کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث نہ صرف سنن کی ہے بلکہ صحیحین کی بھی ہے جس میں صحیح بخاری بھی شامل ہے۔ اور صحیح بخاری کی صحت اور اعتبار کا جو درجہ اسلام میں تسلیم کیا گیا ہے کسی سے مخفی نہیں کہ روئے زمین پر قرآن شریف کے بعد سب سے زیادہ معتبر کتاب صحیح بخاری ہے۔

تمام فقہاءِ امت بھی نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی عمر کے قائل ہیں۔ اور اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے کتنے مسائل کی کتبِ فقہ میں تفریع کی گئی ہے۔

”**كتاب الاستيعاب في معرفة الأصحاب**“ جو صحابہ کے حالات میں نہایت جامع، مبسوط اور معتبر کتاب ہے، اس میں بھی آپ کی عمر یہی مذکور ہے۔ چنانچہ آپ کے ترجمہ میں اس کتاب کی عبارت یہ ہے:

عن عائشة بنت أبي بكر الصديق زوج النبي تزوجها رسول الله بمكة قبل الهجرة بسنتين هذا قول أبي عبيدة وقال غيره بثلاث سنين وهي بنت ست سنين وقيل سبع سنين وابتنى بها بالمدينة وهي ابنة تسع لاأعلمهم اختلفوا في ذلك. [استيعاب في معرفة الاصحاب:ج:٤،ص:١٨٨٢، الإصابةفي تمييز الصّحابة:ج:٨،ص:٢٣٢]۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (آپ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں ہوا تھا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہجرت کے دو سال قبل یہ نکاح ہوا تھا اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تین سال قبل ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر چھ برس کی تھی اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سات برس کی تھی۔ اور جس وقت آپ کی جناب رسول اللہ ﷺ کے گھر رخصتی ہوئی ہے، اس وقت آپ کی عمر کل نو برس کی تھی۔ مجھے اس بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

یعنی آپ کے نکاح کی عمر میں تو ذرا سا اختلاف ہے کہ کسی نے چھ، کسی نے سات برس کی عمر بتلائی ہے مگر رخصتی کی عمر سب کے نزدیک ۹ ر برس مسلم ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اب رہا یہ چھ سات کا اختلاف تو اہل نظر کے نزدیک کچھ اہم نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب اصابہ میں لکھتے ہیں:

عن عائشة بنت أبی بکر الصدیق ولدت بعد المبعث بأربع سنین أو خمس فقد ثبت فی الصحیح أن النبی تزوجها وهی بنت ست وقیل سبع و یجمع بأنها کانت أکملت السادسة ودخلت فی السابعة ودخل بها وهی بنت تسع. [الاصابة فی تمییز الصحابة:ج:۸،ص:۲۳۲]

عائشہ حضرت ابوبکر کی لڑکی ہیں۔نبوت کے چوتھے یا پانچویں سال آپ کی ولادت ہوئی ہے کیونکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جب آنحضرت نے آپ کے ساتھ نکاح کیا تھا تو اس وقت آپ کی عمر چھ برس یا بقول بعض سات برس کی تھی۔اوران دونوں اَقوال میں کچھ اختلاف نہیں۔اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آپ چھ برس کی عمر پوری کر کے ساتویں برس میں داخل ہو چکی تھیں۔اور آپ کی رخصتی ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۹/برس کی تھی۔

یعنی یہ اختلاف کوئی اختلاف نہیں ہے۔بات یہ ہے کہ آپ چھ برس کی ہوچکیں تو ساتویں سال میں پہنچ گئیں۔لہٰذا جس نے چھ سال کہا، اس نے کامل سال مراد لیا اور جس نے سات سال بتلایا، اس نے اس نئے سال کو بھی داخل کرلیا۔الغرض آپ کی نکاح کی یہ عمر بالکل صحیح اور یقینی ہے۔اوران کتب مذکورہ کے علاوہ بھی جتنی کتابیں حدیث وسیر کی ہیں، سب میں آپ کی عمر یہی مذکور ہے کہ بوقتِ نکاح چھ برس اور بوقتِ رخصتی نو برس تھی۔

موجودہ صدی کی نئی تحقیق کی واضح غلطی:

اس اہم اور مشہور واقعہ پر اسلام کی تیرہ صدیاں گزر چکیں مگر کسی نے اس واقعہ کی تاریخ کو غلط ثابت کرنے کی ہمت نہیں کی۔کیونکہ اسلام کے جملہ دواوین وکتب میں کہیں ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں ہے۔کتبِ اسلامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح کی عمر چھ برس اور رخصتی کی عمر نو برس ہے مگر آج کے بعض تجدد پسند اصحاب نے، مشکوٰۃ کے اخیر میں جو ایک رسالہ امام خطیب کا لگا ہوا ہے، اس کی ایک عبارت دیکھ کر فوراً یہ لکھ دیا اور اخباروں کے ذریعہ تمام ملک میں اس کی اشاعت بھی کردی کہ حضرت عائشہ کی عمر بوقت نکاح ۱۶/برس اور بوقتِ رخصتی ۱۹/برس تھی۔

امام خطیب (مولفِ مشکوٰۃ) کی جس عبارت سے یہ اخذ کیا گیا ہے، وہ حضرت اسماء جو حضرت عائشہ کی بڑی بہن تھیں، کا ترجمہ (حالاتِ زندگی) ہے۔اس کی اصل عبارت یوں ہونی چاہئے:

"هی أکبر من أختها عائشة بعشرین سنین وماتت وله مائة سنة وذلک سنة ثلاث وسبعین

"[الاکمال:ص:۳، ملحقه مشکوٰة شریف]

اسماء بنت ابی بکر اپنی بہن حضرت عائشہ سے بیس برس بڑی تھیں، ۷۳/ہجری میں ایک سو برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

امام خطیب کی اصل عبارت تو یوں تھی جو ہم نے درج کی لیکن اللہ کاتب پر رحم کرے کہ اس نے "عشـــرون" کی جگہ "عشـــر"، لکھ دیا جس سے عدد کا فرق پڑ گیا۔یعنی بیس کی بجائے دس ہو گیا۔اب اس عبارت کا ترجمہ یہ ہو گیا کہ حضرت اسماء حضرت عائشہ سے صرف دس برس بڑی تھیں۔

اور اس صورت میں حضرت عائشہ جو اپنی بہن اسماء سے بیس برس چھوٹی تھیں، عمر میں صرف دس برس کم رہ گئیں۔اور یہاں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت اسماء ایک ہجری میں ۲۷/برس کی تھیں۔ کیونکہ ۷۳/ہجری میں آپ کی عمر سو برس کی ٹھہری تو ایک ہجری میں ۲۷/برس یقینی امر ہے۔اسی غلطی پر بنیاد بناتے ہوئے جب حضرت عائشہ کی عمر ایک ہجری میں نکالی جائے تو دس برس چھوٹی ہونے کی وجہ سے ۱۷/برس بنتی ہے۔اگر عمر کا فرق ۲۰/برس کا ہو تو ایک ہجری میں حضرت عائشہ کی عمر ۷/برس بنی۔یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہمارے واقعہ نگار کو غلطی لگی۔

لیکن ہمارے عجلت پسند بزرگ اسی رسالہ کا وہ مقام دیکھ لیتے جو خاص حضرت عائشہ ہی کے ترجمہ کے ساتھ مخصوص ہے تو ہرگز اس فاش غلطی کا ارتکاب نہ کرتے۔چنانچہ یہی امام خطیب اسی رسالہ میں حضرت عائشہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

عائشة الصديقة أم المو ئمنين:"عائشة بنت أبی بكر الصديق خطبها النبی وتزوجها بمكة فی شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة بثلاث سنين وأعرس بها بالمدينة فی شوال سنة اثنتين من الـجهرة على رأس ثمانی عشر شهراً ولها تسع سنين وقيل دخل بها بالمدينة بعد سبعة أشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين ومات عنها ولها ثمانی عشرة سنة"[الاکمال :ص۲۸]۔

عائشہ صدیقہ اُمّ المومنین ہیں: یہ عائشہ حضرت ابو بکر کی لڑکی ہیں، آنحضرت نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا اور آپ سے مکہ میں شوال کے مہینہ میں نکاح کیا۔(یہ واقعہ) ۱۰/نبوت میں ہوا یعنی ہجرت سے تین برس پہلے اور آپ نے ان کو ۱۸/مہینہ گزرنے کے بعد ۲/ہجری میں اپنی دلہن بنایا جس وقت آپ کی عمر کل ۹/برس کی تھی اور بعض کا بیان ہے کہ یہ خلوت مدینہ میں تشریف آوری کے صرف سات ماہ بعد واقع ہوئی اور آنحضرت کے ساتھ آپ کا قیام بھی (مکہ کے قیام کی طرح) صرف ۹/ہی برس رہا اور آنحضرت کی وفات کے وقت آپ کی کل عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔

اس صاف وصریح بیان کے بعد کہ ۶/برس کی عمر میں نکاح ہوا اور ۹/برس کی عمر میں رخصتی ہوئی اور ۱۸/برس کی عمر میں بیوگی کا صدمہ اٹھایا، کیا کوئی منصف اور عقل مند شخص اس کے بعد اس امر کے یقین کرنے میں تامل کر سکتا ہے کہ حضرت اسماء کے ترجمہ میں "عشرین" کی بجائے "عشر" کا لفظ، محض کتابت کی غلطی ہے۔ہمیں سخت تعجب ہے کہ لائق مضمون نگار نے اس اصل مضمون سے کیونکر غفلت کی اور ایک غلط عبارت کے ذریعہ تمام دنیا کو غلط فہمی میں مبتلا

کرنے کی کوشش کی۔ اگر واقعتہً یہ مقام آپ کی نظر سے نہیں گزرا تو یہ ایک اہل علم کے لئے یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ کیونکہ یہ مضمون اسی رسالہ میں ہے جس میں سے آپ مضمون لکھ رہے ہیں اور یہی مقام آپ کے ماخذ کا اصل سرچشمہ ہے۔ اور اگر دیدہ ودانستہ اس بددیانتی کا ارتکاب کیا گیا ہے تو ہمارے خیال میں اس سے بڑھ کر ظلم وخیانت کی شاید کوئی اور مثال نہیں ملے گی۔ اب رہا کتابت میں اس قسم کی غلطیوں کا ہوجانا یہ تو روزمرہ کی بات ہے، اہل نظر کے لئے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اکائی دہائی کی آئے دن غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر قرائن بھی تو کوئی چیز ہیں خصوصاً اس حالت میں کہ اسی واقعہ کو دوسری جگہ بالکل صاف اور واضح کردیا گیا ہو اور جملہ دواوین وکتب بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

اس موقع پر ہمیں اپنے ان محترم معاصرین سے بھی شکایت ہے جنہوں نے اس صحیح مسلک کی تائید کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ امام خطیب سے اس جگہ غلطی ہوگئی ہے یا یہ کہا گیا کہ یہ رسالہ کوئی ایسا اہم رسالہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک کسی کی غلطی یقینی طور پر معلوم نہ ہو، تب تک اس قسم کا لفظ بولنا بالکل غیر موزوں ہے بالخصوص امام خطیب جیسے بلند پایہ شخص کی طرف جو اس میدان کا اعلیٰ شہسوار ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر عقلی اعتراضات:

اہل اسلام میں جب تک وسعتِ علم اور دقتِ نظر کا عنصر غالب رہا، کسی فرد نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس عمر میں شادی کو غیر معقول خیال نہیں کہا۔ مگر آج جبکہ ہر طرف کفر والحاد کا غلبہ ہے اور تجدد ونیچریت کا دور دورہ ہے، اس نکاح پر عقلی اعتراضات وارد کئے جارہے ہیں۔ اس موقع پر جو سوالات آج کل عموماً اٹھائے جاتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

☆(۱) حضرت عائشہ جیسی کمسن لڑکی سے آنحضرت کو شادی کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

☆(۲) آیا اس عمر کی لڑکی دلہن بننے اور ازدواجی ضرورت کے رفع کرنے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟

☆(۳) کیا رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ عمر کی لڑکی نہیں مل سکتی تھی کہ اس کمسن بچی کے ساتھ عقد کیا؟

یہی وہ شکوک واوہام ہیں جو بطریق سوال پیش کئے جارہے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس موقعہ پر ان کا جواب بھی دے دیا جائے۔

پہلا سوال اور اس کا جواب:

یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ آنحضرت کی بعثت تمام دنیا کے واسطے تھی اور ہے۔ اور دین اسلام کی تکمیل آپ ہی کے ہاتھوں

ہونے والی تھی اور ہوئی۔ایسی صورت میں یہ ضروری تھا کہ طبقہ اناث کو احکام و مسائل بتلانے کے لئے آپ کے عقد میں جہاں کئی ایک عمر رسیدہ خواتین ہوں، وہاں ایک کمسن خاتون بھی ضرور ہونی چاہئے تاکہ وہ کمسن اور کنواری بچیاں جو فرطِ حیا سے ماں برابر جیسی عورتوں سے اپنے مخصوص مسائل پوچھنے میں حیا محسوس کریں، وہ خاص طور پر آپ سے مل کر اپنے حالات کا اظہار کر کے اپنی تشفی کر سکیں۔اور اس کے لئے صرف حرم نبوی میں داخل ہونا ہی ضروری نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا پایا جانا بھی ضروری تھا جو احکام و مسائل کے سمجھنے میں کافی مدد دے سکے۔

حالات وواقعات اس امر پر شاہدِ عدل ہیں کہ اس مخصوص انداز میں جو حضرت عائشہ کو قدرتی طور پر فضیلت حاصل تھی، وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی اور کو باوجود زیادتی سن کے حاصل نہ تھی۔اور یہی وجہ ہے کہ جس قدر احکام و مسائل حضرت عائشہ سے منقول ہیں، کسی اور بیوی سے اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔اسی لئے تمام دنیائے اسلام بھی آپ کے فضل وکمال کی معترف ہے۔الاستیعاب میں عطاء بن رباح جیسے جلیل القدر بزرگ سے مروی ہے کہ:

"كانت عائشةأفقه الناس وأعلم الناس وأحسن الناس رأيا فى العامة" [استيعاب فى معرفة الاصحاب :ج:٤،ص:١٨٨٣]

"حضرت عائشہ تمام لوگوں میں زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ علم والی اور عام طور پر نہایت پختہ رائے رکھنے والی تھیں"

اسی کتاب میں امام ابوالضحیٰ سے مروی ہے کہ حضرت مسروق فرماتے تھے کہ:

"رأيت مشيخة من أصحاب رسول الله الأكابر يسئلونها عن الفرائض"

"میں نے آنحضرت کے بڑے بڑے جلیل القدر اصحاب کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ سے فرائض کے مسائل دریافت کیا کرتے تھے" [الاستيعاب فى معرفة الاصحاب:ج:٤،ص:١٨٨٣،والاصابة فى تمييز الصحابة: ج:١، ص:٥٦]

ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ میرے والد مکرم فرمایا کرتے تھے:

"ما رأيت أحدا أعلم بفقه ولا بطب ولا بشعر من عائشة رضى الله عنها"

"میں نے کسی کو حضرت عائشہ سے زیادہ عالم نہیں پایا۔فقہ، طب، شعر ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی ان کا ہم پلہ عالم نہ تھا"

امام زہری جو صحابہ کرام کے حالات سے بہترین واقفیت رکھنے والے اور علم حدیث اور فقہ کے مسلمہ امام ہیں، ان کا بیان ہے کہ:

"لو جمع علم عائشة إلى علم جميع أزواج النبى وعلم جميع النساء لكان علم عائشة أفضل".

"اگر حضرت عائشہ کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور تمام ازواجِ مطہرات اور دیگر تمام عورتوں کا دوسرے پلہ میں اور

یہ تمام علم سے آراستہ ہوکر آئیں تو پھر بھی حضرت عائشہ ہی کے علم کا پلہ بھاری رہے گا''۔

ابو بردہ اپنے والد ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

''ما أشكل علينا أمر فسألنا عنه عائشةإلا وجدنا عندها فيه علما''

''مشکل سے مشکل مسئلہ بھی حضرت عائشہ سے دریافت کیا جاتا تو اس کے متعلق بھی علم کا خزانہ ان کے پاس موجود نظر آتا تھا'' [سنن الترمذی :ج:۵،ح:۳۸۸۳،باب من فضل عائشة رضی اللّٰہ عنہا،والاصابة فی معرفة الصحابة:ج:۸،ص:۲۳۳]

یہ تمام حالات کتاب الاستیعاب اورالاصابہ سے لئے گئے ہیں جو اس فن کی اعلیٰ درجہ کی معتبر کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ان واقعات وحالات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت عائشہ کو قدرت کی طرف سے ایسی مافوق العادت استعداد وقابلیت ودیعت کی گئی تھی کہ عرب کیا ساری دنیا کی عورتوں میں اب تک اس کی نظیر نہیں پائی گئی۔حتیٰ کہ وہ ازواجِ مطہرات جو آپ سے قبل آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے مستفیض ہورہی تھیں اوران میں سے اکثر کا تعلق اعیانِ قریش اورصنادید عرب ہی سے تھا،ان میں سے ہرایک نے آنحضرت کی صحبت بھی آپ سے کہیں زیادہ پائی تھی مگر پھر بھی جو فضل وکمال اس کمسن اورخوردسال میں پایا گیا،وہ کسی اور معمر،عمر رسیدہ میں نظر نہ آیا۔ ایسی صورت میں جبکہ قدرت نے پہلے ہی سے آپ کو فضل وکمال کے بے انتہا محاسن عطا کررکھے تھا اورنکاح کے بعد آپ کی ذاتِ گرامی سے وہ علم وفضل کے چشمے جاری ہوئے کہ اس وقت سے لے کر آج تک کے تمام اہل اسلام اس کے بغیر تشنہ کام نظر آرہے ہیں،کیا کسی کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ آپ نے تمام عرب میں سے اسی کمسن اورخوردسال بچی کو کیوں منتخب فرمایا؟

امر واقعہ بھی یہ ہے کہ جس قدرت کی طرف سے آپ کے اندر فضل وکمال کے یہ جواہرات ودیعت کئے گئے تھے اور دنیا کی ہدایت کے لئے آپ کی ذاتِ گرامی کو منتخب کیا گیا تھا،اسی کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو رسم ازدواجی کے پورا کرنے کا اشارہ بھی فرمادیا گیا تھا۔چنانچہ حافظ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

''كان رسول اللّٰه قدرأى عائشةفى المنام فى سرقة من حرير فتوفيت خديجةفقال إن يكن هذا من عند اللّٰه يمضه فتزوجها بعد موت خديجة''

''آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ کو ریشم کے کپڑے میں خواب میں دیکھا۔اس کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خواب خدا کی طرف سے ہے تو وہ اس کو سچا کر دکھائے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ)

حضرت خدیجہ کے بعد آپ نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا''[شرح النووی علی مسلم:ج:۱۵،ص:۲۰۲، والاستیعاب فی معرفة الاصحاب :ج:٤،ص:۱۸۸۱،والاصابة فی تمییز الصحابة:ج:٤،ص:۱۵۷]

الاصابہ میں حافظ ابن حجر اس خواب کا ذکر خود حضرت عائشہ ہی کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کہا کرتی تھیں:

''أعطیت خلالا ما أعطیتها امرأة:ملکنی رسول اللّٰه وأنا بنت سبع وأتاه الملک بصورتی فی کفه لینظر إلیهاو بنی بی لتسع''الخ.[الاصابة فی تمییز الصحابة:ج:۸،ص:۲۳٤]

مجھے بعض ایسی فضیلتیں عطا کی گئیں کہ وہ کسی اور بی بی کو نصیب نہ ہوئیں:

(ایک) : یہ کہ سات سال کی عمر میں آپ نے مجھے اپنی بیوی بنایا۔

(دوسرے): یہ کہ فرشتہ میری صورت اپنی ہتھیلی میں لے کر آپ ﷺ کو دکھلانے کے لئے لایا۔

(تیسرے): یہ کہ ۹ ربرس کی عمر میں میرے ساتھ آپ نے خلوت کی۔الخ

بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبار آپ کو اس نکاح کی طرف بذریعہ خواب توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی ہی زبانی آنحضرت کا بیان ان لفظوں میں مذکور ہے:

''أریتک فی المنام مرتین إذا رجل یحملک فی سرقة حریر فیقول هذه امرأتک فأکشفها فإذا هی أنت فأقول إن یکن هذا من عنداللّٰه یمضه''[صحیح البخاری:ج:٥،ح:۳۸۹٥]

''تم مجھے دوبار خواب میں اس طرح سے دکھلائی گئیں کہ ایک شخص تم کو ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر دکھلاتا ہے کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ میں جب کپڑا اٹھا کر دیکھتا تو تمہاری صورت نظر آتی تھی۔ میں نے کہا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو پورا ہو کر رہے گا''۔

بعض روایات میں تین بار کا بھی ذکر آیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدرت کو پہلے ہی سے یہ بات منظور تھی کہ آپ کی ذات سے اسلام کو تقویت ہو۔ چنانچہ اس کا ثبوت ان خوابوں سے واضح ہو گیا۔ کیونکہ اسلامی مفاد مدنظر نہ ہوتا تو بذریعہ خواب آنحضرت کو بشارت دیے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ پہلے ہی سے آپ کے روحانی اور جسمانی حالات قدرتی طور پر مافوق العادت ترقی پذیر تھے۔ قدرت کی یہ تربیت خاص انداز میں آپ کے ساتھ اسی لئے تھی کہ آپ سے بڑے بڑے کام اس کو لینا منظور تھے۔ چنانچہ دنیا نے اس کو دیکھ لیا کہ آپ باوجود کمسن اور صنفِ نازک ہونے کے بڑے بڑے فقہا صحابہ سے علمی طور پر برتر تھیں۔

جاری ہے.....

مصنف کی طرف کتاب کی نسبت ثابت کرنے کے ضوابط اور اس سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

فاروق عبداللہ نراین پوری

آج کل پوری دنیا خصوصاً بلاد عربیہ میں اسلافِ کرام کی علمی تراث کی تحقیق وتدوین کا کام زوروں پر ہے۔ یونیورسٹیوں میں اس پر ایم فل وپی ایچ ڈی کی اعلیٰ علمی ڈگریاں تفویض کی جاتی ہیں۔ علمی میدان میں اس سے اعلیٰ کوئی ڈگری نہیں ہوتی۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل کوئی معمولی عمل نہیں، بلکہ بہت ہی ذمہ داری اور محنت طلب عمل ہے۔ جب بھی کسی کتاب کی تحقیق وتدوین کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے ایک محقق کی سب سے پہلی ذمہ داری ہوتی ہے اس مخصوص کتاب کی مخصوص مصنف کی طرف نسبت کی جانچ پڑتال کرے۔ اگر مصنف سے وہ کتاب ثابت ہی نہ ہو اور اس کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کی گئی ہو تو اس کی تحقیق وتدوین اور نشر واشاعت کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔

چنانچہ بہت ساری ایسی کتابیں ہیں جن کی کسی مصنف کی طرف غلط اور جھوٹی نسبت کی گئی ہے۔

میں یہاں اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

۱۔ تنبیہ الملوک والمکائد

اس کتاب کی نسبت مشہور ادیب جاحظ کی طرف کی گئی ہے۔ دارالکتب المصریہ کے قلمی نسخے میں اس پر جاحظ کا نام درج ہے۔ لیکن اس کی نسبت جاحظ کی طرف صحیح ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ اس میں ''**نکت من مکاید کافور الإخشیدی**'' اور ''**مکیدۃ توزون بالمتقی للہ**'' جیسے ابواب اس کی غلط نسبت پر بین دلیل ہیں۔ کافور الإخشیدی کی پیدائش سنہ ۲۹۲ کو ہوئی ہے، جب کہ متقی باللہ کی پیدائش ۲۹۷ کو ہوئی ہے اور جاحظ کی وفات ان کی پیدائش سے کافی سالوں پہلے سنہ ۲۵۵ کو ہو چکی تھی، لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ جاحظ اپنی وفات کے بعد پیدا ہونے والے شخصیات کے حالات قلمبند کریں۔ دیکھیں: [تحقیق النصوص ونشرها للشیخ عبد السلام محمد هارون: ص: ٤٦، وتحقیق التراث العربی للدکتور عبد المجید دیاب: ص: ١٣٧]

۲۔ عمل الیوم واللیلہ

اس نام سے متعدد علماء نے کتابیں لکھی ہیں۔ یہاں جس کتاب کی بات کی جارہی ہے وہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی

کتاب ہے جسے جامعہ علی گڑھ انڈیا کے مخطوطات کی فہرست میں فہرست بنانے والے نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردیا ہے۔ مُفَہرِس کو یہ دھوکہ اس لئے ہوا کیونکہ اس کے شروع میں مصنف کا یہ کلام موجود ہے:"**هذا جزء لطيف في عمل اليوم والليلة منتخب من الأحاديث والآثار، محرر معتبر، لخصته من كتابي منهاج السنة ومن الكلم الطيب، والله الموفق**"

چونکہ منہاج السنہ اور الکلم الطیب شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کافی معروف ومشہور کتابیں ہیں اس لئے انہیں لگا کہ اس کے مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی ہوں گے، حالانکہ یہ علامہ سیوطی کی کتاب ہے، اوران کی بھی اس نام سے کتابیں ہیں جیسے کہ خودانہوں نے اپنی کتاب التحدث بنعمۃ اللہ (ص:۱۰۸،۱۱۲،۱۵۵) میں بیان کیا ہے۔

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کتاب کا اسلوب شیخ الاسلام کے اسلوب سے میل نہیں کھاتا، اس میں نبی سے توسل کی بات موجود ہے، اور کتاب کے آخر میں یہ عبارت موجود ہے: **قال مؤلفه الفقير إلى الله عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي: فرغت من تأليفه في رجب سنة ۸۹۲هجرية، والحمد لله رب العالمين،** جس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ شیخ الاسلام کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔ دیکھیں: (جامع المسائل لشیخ الاسلام ابن تیمیہ، المجوعۃ الثالثہ - کے شروع میں شیخ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ کا مقدمہ، ص ۷-۸)

لہٰذا تحقیق سے قبل یہ کنفرم ہونا نہایت ضروری ہے کہ مصنف کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے یا نہیں۔ عالمی پیمانے پر اس میدان کے متخصصین نے اس کی جانچ پڑتال کے بہت سارے اصول وضوابط متعین کئے ہیں جن کی روشنی میں محقق کو اس کی صحتِ نسبت کی تحقیق کرنی پڑتی ہے۔ ان میں سے بعض ضوابط یہ ہیں:

۱۔ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ مل جائے، چاہے کسی نے ان کی سوانح میں اسے ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب الرد علی نہایۃ العقول للرازی خودان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی موجود ہے لیکن کبھی کسی نے ان کی سوانح میں اس کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ دیکھیں: (جامع المسائل المجموعۃ الاولی - کے شروع میں شیخ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ کا مقدمہ: ص:۱۱)

۲۔ کتاب کے قلمی نسخوں کے سرورق پر مؤلف کا نام موجود ہو۔

۳۔ مؤلف نے اپنی دوسری کتابوں میں اپنی اس تالیف کا ذکر کیا ہو اور اس کے اقتباسات نقل کئے ہوں۔ یا اس کے برعکس اس کتاب میں مصنف نے اپنی دوسری کتابوں کا ذکر کیا ہو، یا ان کے اقتباسات نقل کئے ہوں۔

۴۔ کتاب کا مواد مؤلف کی آرا کے عین مطابق ہو، اور دوسری تمام کتابوں میں جو ان کا معروف اسلوب ہے

اس کا بھی بالکل وہی اسلوب ہو۔

۵۔ اس کے قلمی نسخے پر عرض وسماع موجود ہو۔یعنی اس نسخے کو کسی طالب نے اپنے استاد پر پڑھا ہو،اوران کے نام اس میں درج ہوں۔

۶۔ مؤلفِ کتاب کے شاگردوں نے وہ کتاب ان سے روایت کی ہو،اور پھران سے نسلاً بعدنسلٍ روایت کا سلسلہ چلا آرہا ہو۔اسی کوسَنَد الکتاب کہتے ہیں۔

۷۔ کتب الفہارس میں اسے ان کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔

۸۔ کتب التراجم میں ان کے ترجمہ میں اس تالیف کا ذکر یا وصف موجود ہو۔

۹۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اسے کسی نے منسوب نہ کیا ہو۔یعنی جب بھی اس کتاب کا ذکر آئے تو بالاتفاق علماء اسے ان کی طرف منسوب کرتے ہوں۔

۱۰۔ مؤلفِ کتاب کے معاصر علماء نے اس کی صراحت کی ہو۔

۱۱۔ ان کے بعد آنے والے علمائے کرام نے اس سے اقتباسات نقل کئے ہوں اوراس کا حوالہ دیا ہو۔

جو بھی تحقیق شدہ کتابیں منظر عام پر آرہی ہیں آپ ان میں محقق کا مقدمہ پڑھیں۔انھوں نے کتاب کی نسبت مصنف سے ثابت کرنے کے لئے انہی امور کو بطور دلیل پیش کیا ہوگا، کیونکہ عموماً کسی کتاب کی اس کے مؤلف کی طرف نسبت ثابت کرنے میں یہ امور معاون ثابت ہوتے ہیں۔بطور مثال جامع المسائل لشیخ الاسلام ابن تیمیہ المجموعۃ الاولی -کے شروع میں شیخ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ کا مقدمہ، یا الایجاز فی شرح سنن ابی داؤد للنوی کی تحقیق میں شیخ مشہور حسن سلمان کا مقدمہ، یا الرد علی الجہمیۃ والزنادقہ للامام احمد کی تحقیق میں شیخ صبری بن سلامہ شاہین کا مقدمہ پڑھ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے کتاب کی نسبت مؤلف کی طرف ثابت کرنے کے لیے کن امور کو معیار بنایا ہے۔

بعض کتابوں میں ان مذکورہ امور میں سے دو چار چیزیں ہی مل پاتی ہیں،اور بعض میں اس سے کچھ زیادہ۔نیز ان کے علاوہ بھی کسی خاص کتاب میں کوئی خاص قرینہ موجود ہوسکتا ہے جس سے بوقت ضرورت استدلال یا استئناس کیا جاسکتا ہے۔بطور مثال رفع الاشتباہ عن معنی العبادۃ والإلہ وتحقیق معنی التوحید والشرک باللہ کی نسبت علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ کی طرف ثابت کرنے میں اس کے محقق شیخ عثمان بن معلم محمود نے اس کے مقدمے میں جن قرائن کا اعتبار کیا ہے انہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

کسی کتاب کی نسبت میں جتنے زیادہ قرائن پائے جائیں گے وہ اس کی صحتِ نسبت کی اتنی ہی پختہ دلیل مانی جائے

گی۔

لیکن ان مذکورہ قرائن میں سے کسی خاص قرینہ کا کسی کتاب میں مفقود ہونے کا یہ معنی قطعًا نہیں کہ وہ اس مصنف کی کتاب نہیں۔

مثلاً پہلے قرینہ کو ہی دیکھیں۔ بہت ساری ایسی کتابیں ہیں جن کے قلمی نسخوں میں سرورق موجود ہی نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ پہلا صفحہ ہوتا ہے اس لئے اس کے ضائع ہونے کا خوف بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے باقی قرائن اس کی بات کی پختہ دلیل ہوتے ہیں کہ یہ فلاں مصنف کی فلاں کتاب ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لائبریرین خود اپنے قلم سے اس کے سرورق پر اس کا نام اور اس کے مصنف کا نام لکھ دیتا ہے، لیکن کم علمی یا اسی نام کی کسی دوسری کتاب سے مشابہت کی بنیاد پر اس میں غلطی کر بیٹھتا ہے، جس سے بسا اوقات بعض لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے۔ ایسا معاملہ کئی کتابوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ابھی اوپر عمل الیوم واللیلہ للسیوطی کی بات گزری۔ اسی طرح کا معاملہ اکمال تہذیب الکمال کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ اس نام سے علامہ ابن الملقن اور علامہ مغلطائی دونوں نے کتاب لکھی ہے۔ نام میں مشابہت کی وجہ سے مغلطائی کی کتاب پر بعض مخطوطات میں ابن الملقن کا نام لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح دوسرے قرائن کا معاملہ ہے۔ کسی مخصوص کتاب میں دوسرے قرائن میں سے کوئی بھی قرینہ مفقود ہو سکتا ہے، لیکن اس وجہ سے مصنف کی طرف کتاب کی نسبت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ بقیہ دوسرے قرائن اس بات کی مضبوط دلیل ہوتے ہیں کہ یہ فلاں مصنف کی ہی کتاب ہے۔

افسوس کہ موجودہ زمانے میں بعض لوگوں نے کسی مصنف کی طرف کسی کتاب کی صحتِ نسبت کے لیے ایک قرینہ کو بنیادی شرط کا درجہ دینا شروع کر دیا ہے جو کبھی بھی علماء کے نزدیک شرط کی حیثیت سے نہ دیکھا گیا تھا۔ وہ ہے: مصنف سے صحیح سند سے اس کتاب کی روایت موجود ہو۔

یہ چیز اگر کسی کتاب میں پائی جاتی ہے تو بلاشبہ نورٌ علیٰ نور ہے، لیکن مصنف کی طرف صحتِ نسبت کے لیے اسے شرط کا درجہ دینا، بلکہ صحتِ نسبت کو اسی پر موقوف کر دینا تو یہ ایک نئی چیز ہے جس کی علماء نے کبھی بھی شرط نہیں لگائی ہے، الا یہ کہ کہیں نسبت ثابت کرنے والے تمام قرائن مفقود ہوں، اور موجود قرائن نسبت کی تکذیب کر رہے ہوں، اور متأخرین میں سے کوئی مصنف کی طرف اس کی نسبت کا دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں اس سے اس کی سند ضرور طلب کی جائیگی اور یہ دیکھا جائیگا کہ کہیں کسی نے اپنی طرف سے گھڑ کر تو اسے مصنف کی طرف منسوب نہیں کر دیا ہے۔

مثلاً ابھی حال ہی میں مصنف عبدالرزاق کے ایک مفقود حصے کے متعلق ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ بن مانع الحمیر ی نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ مصنف عبدالرزاق کا مفقود حصہ ہے، لیکن بے شمار قرائن ان کے دعوے کی تکذیب کر رہے ہیں اس لیے علماء نے ان کے اس دعوے کو باطل قرار دیا ہے۔ میں نے اس دعوے کی تکذیب پر ایک مفصل مضمون قلمبند کیا ہے جو فری لانسر کے ویب پورٹل پر موجود ہے۔

لیکن اس کے برعکس کوئی کتاب ایسی ہو جو ہر دور میں علماء کے مابین معروف رہی ہو، علماء اس سے اپنی کتابوں میں نقل کرتے رہے ہوں، جس نے بھی اس کتاب کے متعلق بات کی ہو اسے اسی مصنف کی طرف منسوب کیا ہو، کبھی کسی نے اس کی نسبت کے متعلق شک وشبہہ کا اظہار نہ کیا ہو صرف اس کی سند نہ ملنے، یا سند کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے مصنف سے اس کی نسبت کا ہی انکار کر دینا تو یہ بالکل نیا اور خطرناک منہج ہے جس سے پوری اسلامی تراث کے مشکوک ہونے کا خطرہ ہے۔

آج کل بعض بردرس جو بنیادی شرعی علوم سے بھی عاری ہیں اسے لے کر کچھ زیادہ ہی فتنہ برپا کئے ہوئے ہیں۔ ابھی دو چار دن قبل ہی ایسے ہی ایک برادر کی تحریر نظر سے گزری، اس میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی عربی عبارت کے ترجمے میں جس جہالت کا ثبوت دیا گیا ہے وہ تو اپنی جگہ مضحکہ خیز ہے ہی اس سے استدلال کا طریقہ بھی کم غیر علمی نہیں ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے خطیب بغدادی کی مشہور کتاب اقتضاء العلم العمل کے مقدمے میں اس کے مخطوط کی حالت بیان کرتے ہوئے ناسخِ مخطوط سے خطیب بغدادی تک کی سند بھی ذکر کی ہے، اور روات کے حالات ذکر کرنے بعد کہا ہے کہ اس کی سند مصنف تک صحیح ہے۔

اس سے موصوف نے یہ عجیب وغریب استدلال کیا ہے کہ مؤلف تک کتاب کی نسبت ثابت کرنے کے لئے اس کی سند کے روات کا حافظ وضابط اور مشہور ہونا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں: کتاب کی سند کے رواۃ کا حافظ ضابط اور مشہور ہونا ضروری ہے مؤلف تک جب ہی اسے منسوب کیا جائے گا، جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

حالانکہ شیخ نے کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں سند اور اس کے روات کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں کیونکہ مصنف سے اسے ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری امر ہے، بلکہ خود شیخ نے دوسری جگہ اسے ایک ضروری چیز ماننے سے انکار کیا ہے۔ شیخ نے فضل الصلاۃ علی النبی للازدی کی تحقیق کی ہے، اور اس کے مقدمے میں بھی کتاب کی سند اور اس کے روات کے حالات کو بیان کیا ہے، لیکن علماء کے منہج سے کوئی غافل شخص کوئی غلط نتیجہ نہ اخذ کر لے اس لئے بڑے ہی واضح الفاظ میں اس غلط فکر کی تردید کی ہے۔ شیخ کے الفاظ ہیں:

"شهـرة الكتاب عند العلماء وتدوالهم إياه واعتمادهم عليه يغنى عن البحث فى إسناده، فإذا ثبـت فهـو قوة على قوة، وإلا لم يضره، ولذلک كان من المصادر الأولى إن لم يكن الأول لكل مـن صـنف فى موضوعه كالعلامة ابن القيم فى كتابه جلاء الأفهام والحافظ السخاوى فى القول البديع وغيرهما"

''علماء کے نزدیک کتاب کا مشہور ومتداول ہونا، اوران کا اس پر اعتماد کرنا اس کی سند کی تلاش وجستجو سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اگر سند ثابت ہوجائے تو اس سے مزید قوت مل جاتی ہے، لیکن ثابت نہ ہو تو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اسی لئے جنہوں نے بھی اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی یہ کتاب ان کا پہلا مصدر نہ سہی ان کی اول ترین مصادر میں ضرور رہی، جیسے کہ علامہ ابن القیم کی جلاء الافہام میں، حافظ سخاوی کی القول البدیع میں اوران دونوں کے علاوہ دوسروں کے نزدیک بھی یہ اول ترین مصادر میں رہی''۔ (فضل الصلاۃ علی النبی للازدی کی تحقیق میں شیخ کا مقدمہ:ص:۱۳)

شیخ رحمہ اللہ کا یہ قول روز روشن کی طرح واضح اور صریح ہے کہ علماء اگر کسی کتاب پر اعتماد کرتے ہوں، اس سے نقل واستفادہ کرتے ہوں جیسے کہ فضل الصلاۃ علی النبی للازدی سے علامہ ابن القیم اور حافظ سخاوی وغیرہما نے نقل واستفادہ کیا ہے تو ایسی صورت میں اس کتاب کی سند کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر مل جائے تو نورٌ علیٰ نور ہے، نہ ملے تو اس کی صحتِ نسبت پر ذرہ برابر کوئی آنچ نہیں آتی۔

خود شیخ البانی رحمہ اللہ نے متعدد کتب کی تحقیق کی ہے لیکن ان میں سے تمام کتب میں اس طرح کتاب کی سند اور اس کے رواۃ کے حالات کو بیان کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔ بطور مثال الایمان لابن ابی شیبہ کو لیں۔ شیخ نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے اوراس کے مقدمہ (ص ۸) میں اس کے مخطوط کی حالت بیان کی ہے۔ اور کہا ہے کہ جس نسخے پر انہوں نے اعتماد کیا ہے وہ حافظ محمد بن یوسف بن محمد البرزالی الاشبیلی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جسے انہوں نے ۶۲۳ ہجری میں لکھا ہے۔ لیکن ان کے اور امام ابن ابی شیبہ کے درمیان کی سند کیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ دونوں کے مابین تقریباً چار سو سال کا فاصلہ ہے۔

اسی طرح اس کے بعد اسی صفحے میں انہوں نے الایمان لابی عبید کے قلمی نسخے کی حالت بیان کی ہے۔ یہ کتاب بھی شیخ کی تحقیق سے چھپی ہوئی ہے۔ اس کے مخطوط کی حالت بیان کرتے ہوئے شیخ نے کہا ہے کہ انہوں نے ایک ہی قدیم نسخے پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تحقیق کی ہے جو سنہ ۴۸۸ ہجری میں ابومحمد عثمان بن ابی نصر کے نسخے سے لکھا گیا تھا۔ لکھنے والا کون تھا اس کا انہوں نے کوئی نام ذکر نہیں کیا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ لکھنے کے بعد اصل نسخے سے اس کا تقابل

بھی کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود اس میں بہت زیادہ غلطیاں ہیں۔

یہاں کاتبِ نسخہ کا نام تک پتہ نہیں، اس میں بہت زیادہ غلطیاں بھی ہیں، اور کاتب ومصنف کے مابین سند کا بھی کوئی اتہ پتہ نہیں، اس کے باوجود شیخ اسے ابوعبید کی طرف منسوب کر کے تحقیق کر رہے ہیں، اور نشر کر رہے ہیں۔ اگر موصوف برادر کے بقول یہ شیخ کے نزدیک ضروری امر ہوتا تو اس کی شیخ کو تحقیق ہی نہیں کرنی چاہئے تھی اور نہ ابوعبید کی جانب منسوب کر کے نشر کرنا چاہئے تھا۔

یہی حال اکثر وبیشتر کتبِ اسلاف کا ہے، ان کی اسانید کا یا تو پتہ نہیں، یا وہ اسانید متکلم فیہ ہیں۔ کتبِ حدیث میں تو ایک حد تک ان کی روایات کا اہتمام ملتا بھی ہے، لیکن دوسرے فنون مثلاً تاریخ، لغت، فقہ، اصول وغیرہ میں تو یہ تقریباً ناپید ہی ہے۔ اگر اس نئے خود ساختہ اور غیر معقول وغیر مقبول منہج کو کوئی اہمیت دی جائے تو اس طرح پوری اسلامی تراث مشکوک بلکہ نیست ونابود تک ہوسکتی ہے۔ اسی سے اس کی سنگینی اور خطرناکی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں نے ایوانِ باطل میں جو زلزلہ پیدا کیا ہے وہ کسی اہل حق پر مخفی نہیں۔ اگر خود ان کی کتابوں پر یہ خود ساختہ اصول فٹ کیا جائے تو ان کے تراث کے ایک عظیم حصے سے ہمیں ہاتھ دھونا پڑیگا۔ ابھی حال ہی میں مشہور محقق شیخ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ نے ان کی بے شمار کتابوں کی تحقیق کی ہے اور انہیں منظر عام پر لاکر پوری امت پر عظیم احسان کیا ہے جس کے لئے ہم شیخ کے ممنون ومشکور ہیں۔ شیخ نے جامع المسائل لشیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شروع میں اپنے مقدمہ میں ان قلمی نسخوں کا جو تعارف پیش کیا ہے صرف انہیں ہی دیکھ لیں آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ اس مسئلہ میں علماء اور محققین کا کیا منہج ومعیار ہے۔ اور یہ خود ساختہ اصول کس قدر باطل اور نا قابلِ التفات ہے۔ شیخ نے جن قلمی نسخوں پر اعتماد کر کے ان کتب کی تحقیق کی ہے ان میں سے بہتوں کے بارے میں یہ تک پتہ نہیں کہ ان کے لکھنے والے کون ہیں اور کب لکھے گئے ہیں۔ لیکن اہل علم جو اس فن سے کچھ شد بد رکھتے ہیں کبھی بھی اس طرح کی بے تکی باتیں کر کے ان پر کلام نہیں کرتے، اور انہیں مشکوک نظروں سے نہیں دیکھتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کتاب کی نسبت کسی مصنف کی طرف آنکھ بند کر کے قبول بھی نہیں کی جائیگی، اور سند کے معدوم ہونے یا صحیح نہ ہونے کی وجہ سے رد بھی نہیں کی جائیگی، بلکہ علماء کے نزدیک اس کے خاص اصول وضوابط ہیں جو اس مضمون کے شروع میں بیان کئے گئے، ان کے مطابق جانچ پڑتال کی جائیگی اور نسبت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جائیگا۔ واللہ اعلم۔

اللہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو ہدایت دے، اور صحیح علم حاصل کرنے واسے نشر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کھانے کی دعوت قبول کرنے کے بعد غیر حاضر نہ ہوں

ابواُسید شفیق عدیل محمدی

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، انہیں میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب اسے کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے قبول کرے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ: مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟، قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَسَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا مسلمان پر چھ حق ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول وہ کون سے حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو اس کو ملے تو اس کو سلام کر، اور جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر، اور جب تجھ سے مشورہ چاہے تو اچھی صلاح دے، جب چھینکے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو تو بھی جواب دے (یعنی یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہہ) اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کو جا اور جب مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ رہ۔ [صحیح مسلم: ح: ۲۱۶۲]

مذکورہ حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے انسانیت اور محبت کے خاطر جہاں مسلمانوں کے مسلمانوں پر بہت سے حقوق بتلائے ہیں وہیں پر ایک حق واضح طور سے یہ بھی بیان فرمایا کہ ''جب بھی کسی مسلمان کو کسی مسلمان کی طرف سے حلال اور شرعی دعوت طعام دی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اُس دعوت کو قبول کرے''، اور دعوت قبول کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف ''ہاں'' بول دیا جائے اور دعوت میں شریک نہ ہوا جائے، بلکہ دعوت قبول کرنے کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ''ہاں'' کرنے کے ساتھ ساتھ وقتِ مقررہ پر دعوت میں حاضری بھی دی جائے، دعوت دینے والے کے کھانے کو کھایا جائے، تاکہ اسے بھرپور مسرت وخوشی فراہم ہو سکے اور محبت کا پیمانہ لبریز ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کی سنت پر عمل بھی ہو سکے۔

قارئین کرام! مسلمانوں کے اندر نیک اعمال میں جہاں بہت ساری کوتاہیاں پائی جاتی ہیں وہیں ایک کوتاہی کچھ مسلمانوں کے یہاں کھانے کی دعوت کے حوالے سے بھی پائی جاتی ہے، ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو کسی خوشی کے موقع پر دعوتِ طعام دیتا ہے تو وہ دعوت کو قبول تو کر لیتا ہے لیکن عین دعوت کے وقت اُن دعوت قبول کرنے والے

لوگوں میں سے کچھ لوگ سستی کاہلی، دوری، وقت کی کمی وغیرہ کا حوالہ دے کر دعوت میں حاضر نہیں ہوتے، حالانکہ دعوت قبول کرنے والے کے لئے ضروری تھا کہ اگر اس کے پاس کوئی شرعی عذر نہیں تھا تو وہ دعوت میں حاضر رہتا، تاکہ دعوت دینے والے سے محبت کا اظہار ہونے کے ساتھ ساتھ اسے بھرپور خوشی حاصل ہوتی، مزید دعوت قبول کرنے کے بعد حاضر نہ ہونے کی وجہ سے کھانے کے نقصان کا جو اندیشہ ہوتا ہے وہ اندیشہ بھی ختم ہو جاتا۔

دعوت کے حوالے سے ہر ایک مسلمان کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات ہونی چاہئے کہ جب کوئی اسے دعوتِ طعام دے تو اسی وقت وہ حتمی فیصلہ کر لے کہ میں اپنے وقت وغیرہ کے حوالے سے اُس دعوت میں شریک ہوسکتا ہوں کہ نہیں، اگر اسے ایسا لگتا ہے کہ وہ شریک ہو جائے گا تب تو وہ دعوت کو قبول کرے، ورنہ دعوت دیئے جانے کے وقت ہی وہ معذرت پیش کر دے کہ میں فلاں وجہ سے حاضر نہیں ہو پاؤں گا، ایسا کرنے سے دعوت دینے والا اسے معذور سمجھ سکتا ہے۔

لیکن اگر دعوت دیئے جانے کے وقت اس نے معذرت پیش نہ کی، بلکہ باخوشی دعوت قبول کر لی اور عین دعوت کے وقت بنا کسی شرعی عذر (مثلاً بیماری، کسی کی وفات، یا کوئی بڑا حادثہ وغیرہ) کے وہ دعوت میں حاضر نہیں رہا تو جہاں نبی کی سنت کی مخالفت ہوگی وہیں دعوت دینے والے کے کھانے کا نقصان بھی ہوگا اور دعوت دینے والے کو دلی تکلیف بھی ہوگی، مزید آگے رشتہ میں دراڈ پیدا ہونے کا خطرہ بھی پیدا ہو جائے گا۔

قارئین کرام! اکثر و بیشتر کھانے کی دعوت کے موقع پر ایسا دیکھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ پندرہ سے بیس فیصد لوگ بنا کسی شرعی عذر کے دعوت قبول کرنے کے بعد بھی دعوت میں حاضر نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے اچھا خاصا کھانا بچ جاتا ہے، پھر بعد میں دعوت دینے والے کے لئے ایک مصیبت یہ کھڑی ہو جاتی ہے کہ اب ان بچے ہوئے کھانوں کو وہ کیا کرے؟ بہت سوچنے کے بعد ان بچے ہوئے کھانوں کو یہاں وہاں پھینکنے کے بجائے وہ بیچارہ آئے ہوئے مہمانوں کو ہی پارسل دے کر ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ جیسے تیسے یہ برباد ہونے سے بچ جائے۔

اس مختصر سے مضمون میں ہم مسلمانوں کو یہی پیغام دینا چاہتے ہیں کہ آپ جب بھی کسی کی حلال، شرعی دعوت پر لبیک کہیں تو کم سے کم نبی کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے سارے کام کاج چھوڑ کر قبول کی گئی دعوت میں ضرور شریک ہوں، تاکہ سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملنے کے ساتھ ساتھ دعوت دینے والے کے دل کو خوشی سے بھر سکیں اور محبت کو زندہ رکھ سکیں۔

اللہ ہمیں ہر حلال، شرعی قبول کی گئی دعوت میں شریک ہونے کی توفیق دے، آمین

نواسۂ رسول حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت

ابوالبیان رفعت سلفی

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کرام جنتی ہیں، اللہ نے ان سب سے اپنی رضامندی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے'' [سورۃ التوبۃ: ۱۰۰]

اس لئے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عزت وتوقیر اور ان کا احترام تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

میں نے اپنے اس مختصر سے مضمون میں صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی دو ممتاز شخصیات نواسۂ رسول ﷺ (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) کے چند فضائل ومناقب کو صحیح احادیث کی روشنی میں جمع کیا ہے تاکہ مسلم عوام ان کے مقام مرتبہ کو سمجھ کر ان کی عزت وتکریم کریں اور ان سے متعلق غیر شرعی افکار ونظریات سے بچ سکیں۔

۱۔ میرا یہ بیٹا حسن سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے، آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر حسن رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اور فرماتے: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ [صحیح بخاری: ۳۷٤٦]

۲۔ سیدنا حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والے صلح کا عظیم الشان تاریخی واقعہ۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قسم اللہ کی جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما (معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں) پہاڑوں میں لشکر لے کر پہنچے، تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا (جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص

تھے) کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مقابل کو نیست و نابود کیے بغیر واپس نہ جائے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اور قسم اللہ کی، (وہ ان دونوں اصحاب میں زیادہ اچھے تھے) کہ اے عمرو! اگر اس لشکر نے اس لشکر کو قتل کر دیا، یا اس نے اس کو قتل کر دیا، تو (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) لوگوں کے امور (کی جواب دہی کے لیے) میرے ساتھ کون ذمہ داری لے گا، لوگوں کی بیوہ عورتوں کی خبر گیری کے سلسلے میں میرے ساتھ کون ذمہ دار ہوگا۔ لوگوں کی آل اولاد کے سلسلے میں میرے ساتھ کون ذمہ دار ہوگا۔

آخر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے دو آدمی بھیجے۔ عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر بن کریز، آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے یہاں جاؤ اور ان کے سامنے صلح پیش کرو، ان سے اس پر گفتگو کرو اور فیصلہ انہیں کی مرضی پر چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی اور فیصلہ آپ ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم بنو عبد المطلب کی اولاد ہیں اور ہم کو خلافت کی وجہ سے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی عادت ہوگئی ہے اور ہمارے ساتھ یہ لوگ ہیں، یہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہیں، بغیر روپیہ دیئے ماننے والے نہیں۔ وہ کہنے لگے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا اتنا روپیہ دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں۔ فیصلہ آپ کی مرضی پر چھوڑا ہے اور آپ سے پوچھا ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ ان دونوں قاصدوں نے کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ حسن نے جس چیز کے متعلق بھی پوچھا، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ آخر آپ نے صلح کر لی، پھر فرمایا کہ میں نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے سنا ہے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پہلو میں تھے، آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا مجھ سے علی بن عبد اللہ مدینی نے بیان کیا کہ ہمارے نزدیک اس حدیث سے حسن بصری کا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت ہوا ہے۔[صحیح بخاری:۲۷۰۴]

۳۔ اے اللہ! مجھے ان سے (اسامہ بن زید اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے) محبت ہے تو بھی انہیں محبوب رکھ۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ انہیں اور حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر یہ دعا کرتے تھے:

"اللهم إني احبهما فاحبهما"

(اے اللہ! مجھے ان سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت رکھ۔)۔[صحیح بخاری:۳۷۴۷]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے کاندھے پر دیکھا اور آپ ﷺ فرماتے تھے:

''اللَّهُمَّ إِنِّی أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ''

''اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ'' [صحیح مسلم:۲۴۲۲]

یہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا نتیجہ ہے کہ بلاتفریق مسلک وملت پوری امت محمدیہ کے لوگ حسنین سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ کچھ لوگ محبت میں اعتدال پر قائم رہتے ہیں اور کچھ لوگ ان دونوں کی محبت میں غلو کرتے کرتے گمراہی (شرک) تک پہنچ جاتے ہیں۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگالیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دن کے ایک وقت نکلا نہ آپ ﷺ مجھ سے بات کرتے تھے، نہ میں آپ سے بات کرتا تھا (یعنی خاموش چلے جاتے تھے) یہاں تک کہ بنی قینقاع کے بازار میں پہنچے، پھر آپ ﷺ لوٹے اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے اور پوچھا: بچہ ہے، بچہ ہے۔ یعنی حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق، ہم سمجھے کہ ان کی ماں نے ان کو نہلانے دھلانے اور خوشبو کا ہار پہنانے کے لیے روک رکھا ہے لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ دوڑتے ہوئے آئے اور دونوں ایک دوسرے سے گلے ملے (یعنی رسول اللہ ﷺ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ)، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللَّهُمَّ إِنِّی أُحِبُّهُ، فَأَحِبَّهُ وَأَحْبِبْ مَنْ يُحِبُّهُ''

''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، اور محبت رکھ اس شخص سے جو اس سے محبت رکھے''

[صحیح مسلم: ۲۴۲۱]

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے خچر پر حسن رضی اللہ عنہ کو آگے اور حسین رضی اللہ عنہ کو پیچھے سوار کرلیا۔

(سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: میں نے اس سفید خچر کو کھینچا جس پر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سوار تھے یہاں تک کہ ان کو لے گیا حجرہ نبوی تک۔ ایک صاحبزادے آپ ﷺ کے آگے تھے اور ایک پیچھے۔ [صحیح مسلم:۲۴۲۳]

۶۔ (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

ابونعیم نے بیان کیا کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں موجود تھا ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں)

مچھر کے مارنے کے متعلق پوچھا(کہ اس کا کیا کفارہ ہوگا)ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا، فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو، (مچھر کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے) حالانکہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسہ کو(بے تکلف قتل کرڈالا) میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمار ہے تھے کہ یہ دونوں (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔[صحيح بخاری:٥٩٩٤]

۷۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو دوران خطبہ منبر سے اتر کر گود میں اٹھالیا۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اتنے میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہم لال رنگ کی قمیص پہنے گرتے پڑتے آئے، آپ ﷺ (منبر سے) اتر پڑے، اور اپنی بات بیچ ہی میں کاٹ دی، اور ان دونوں کو گود میں اٹھالیا، پھر منبر پر واپس آگئے، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے:

"إنما اموالكم و اولا د كم فتنة"

"تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں"

میں نے ان دونوں کو ان کی قمیصوں میں گرتے پڑتے آتے دیکھا تو میں صبر نہ کرسکا یہاں تک کہ میں نے اپنی گفتگو بیچ ہی میں کاٹ دی، اور ان دونوں کو اٹھالیا۔[سنن نسائی:١٤١٣،صحيح]

مذکورہ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسنین سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اور جن سے رسول اللہ ﷺ محبت کریں تو پوری امت محمدیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی ان سے محبت کریں۔

۸۔ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

"الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ"

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔[سنن ترمذی:٣٧٦٨،صحيح]

یہ تھا حسنین رضی اللہ عنہما کے فضائل سے متعلق چند صحیح احادیث کا ترجمہ جو حسنین رضی اللہ عنہما کے فضائل کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ رب العالمین ہم تمام مسلمانوں کو تمام صحابہ کرام بالخصوص حسنین رضی اللہ عنہما کے فضائل اور ان کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

(قسط اول)

آزمائش: رحمت یا زحمت

عتیق الرحمٰن عبید الرحمٰن سلفی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین أما بعد.

محترم قارئین!!!

ہر انسان اس دنیا میں آزمائش کی حالت میں ہے، محرومی بھی آزمائش ہے اور نعمت بھی۔

انسان جب تک زندہ ہے وہ اس امتحان سے باہر نکل ہی نہیں سکتا ہے، پوری دُنیا آزمائش کا سامان ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

''روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے، تاکہ ہم انہیں آزمالیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے'' [الکھف:۷]

بلکہ خود لوگ ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنادئے گئے ہیں۔

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ﴾

''اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنادیا، کیا تم صبر کروگے؟'' [الفرقان: ۲۰]

اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا کرتا ہے، اور نعمتوں سے محروم بھی کردیتا ہے تاکہ آزمائے، انسان کو آزمائش میں کامیابی اس وقت ملتی ہے جب وہ صبر وشکر کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، لیکن اکثر لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے ہیں، اسی لئے جب اللہ تعالیٰ انعام واکرام کرتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں اللہ مجھ سے خوش ہے اور میری تکریم کررہا ہے حالانکہ وہ آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ﴾

''انسان (کا یہ حال ہے کہ) جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت ونعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا'' [الفجر:۱۵]

اور جب اللہ روزی تنگ کردیتا ہے تو انسان کہتا ہے میرے رب نے میرے ساتھ ظلم کیا اور میری توہین کی ہے۔

اپنے رب سے بدگمان ہوجاتا ہے، حالانکہ وہ آزمائش ہوتی ہے۔

﴿وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾

''اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے میرے رب نے میری اہانت کی (اور ذلیل کیا)'' [الفجر: ١٦]

گویا دونوں انداز سے اللہ تعالیٰ انسانوں کو آزماتا ہے، نعمت بھی آزمائش ہے، اس سے محرومی بھی امتحان و آزمائش ہے، اس لئے اللہ سے بلا وجہ خوش گمان بھی نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی بدگمانی کرنی چاہئے، یہ آزمائش عظیم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور یہ معاملہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾

''اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ باز آجائیں'' [الأعراف:١٦٨]

آزمائش کئی طرح کی ہوتی ہے، اس دنیوی زندگی کے علاوہ بھی امتحان اور آزمائش موجود ہے، پیارے نبی ﷺ نماز میں تشہد میں پانچ بڑے فتنوں سے پناہ طلب کیا کرتے تھے، ہمیں بھی اپنی نمازوں میں اس دعا کا اہتمام کرنا لازمی ہے، تاکہ ہم بھی آزمائش میں کامیاب ہوسکیں وہ دعا اس طرح ہے:

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِن عَذَابِ القَبْرِ، ومِنْ عَذَابِ النَّارِ، ومِنْ فِتْنَةِ المَحْيَا والمَمَاتِ، ومِنْ فِتْنَةِ المَسِيحِ الدَّجَّالِ'' [صحيح البخاری:١٣٧٧]

''ومِنْ فِتْنَةِ المَحْيَا'' اس ایک جملہ میں ان تمام فتنوں سے پناہ طلب کی گئی ہے جو انسان کو پوری زندگی میں پیش آتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس کی خبر دے دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے'' [سورہ البقرہ:١٥٥]

آزمائش کا معاملہ بہت وسیع اور کشادہ ہے، اللہ تعالیٰ خیر و شر، اچھائی اور برائی، خوشحالی و تنگ دستی، صحت و بیماری ہر ایک طریق پر انسان کو آزماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾

''ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے'' [الأنبياء:٣٥]

انسان جن چیزوں سے فطری طور پر مانوس ہے، جیسے مال اور اولاد انہیں بھی فتنہ وآزمائش قرار دیا گیا ہے ارشاد رب العالمین ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾

''اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے'' [سورة أنفال :٢٨]

الغرض یہ دنیا، اور سامان دنیا اور یہ دنیا کی زندگی سب آزمائش ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ ضرور آزماتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟ ان کے اگلوں کو بھی ہم نے آزمایا یقیناً اللہ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں'' [سورة العنكبوت:٢-٣]

اس آزمائش سے کوئی بھی باہر نہیں ہے، بلکہ انبیاء کرام اور اعلیٰ درجے کے اہل ایمان اس آزمائش کے زیادہ قریب رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''أشدُّ الناسِ بلاءً الأنبياءُ ، ثم الذين يلونَهم ، ثم الذين يلونَهم'' ''لوگوں میں سب سے سخت آزمائش انبیاء کرام کی ہوتی ہے پھر ان کی جو ان سے (دین کے اعتبار سے) قریب ہوں، پھر ان کی جو ان سے زیادہ قریب ہوں'' [صحيح الجامع :٩٩٦، صحيح]

اور یہ مشقت اور آزمائش انسانی زندگی کا لازمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾

''یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مشقت میں پیدا کیا ہے'' [سوره البلد:٤]

بلکہ موت وحیات کا یہ سلسلہ بھی آزمائش کے لئے بنایا گیا:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾

''جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب (اور) بخشنے والا ہے'' [سوره الملك :٢]

یہ آزمائش رحمت الٰہی کا ایک نمونہ ہے، یہ اللہ کی رحمت کا ایک بڑا ذریعہ ہے، مصائب وآلام، دکھ درد، تکلیف وپریشانی اللہ کی نعمت ہے، اس کو نفرت اور بدخواہی سمجھنا جہالت ہے، اور نعمتوں کے ملنے پر اپنی اکرام اور تعظیم سمجھنا خوش فہمی ہے، اللہ کا ہر فیصلہ حکمت ورحمت پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''مَن يُّرِدِ اللّٰهُ به خَيْرًا يُصِبْ منه'' ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے مصیبت میں ڈال دیتا ہے'' [صحيح البخاری :٥٦٤٥]

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مصائب ومشکلات خیر وبھلائی پانے کا ذریعہ ہیں، گناہوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے علاوہ اللہ کی بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے۔ تاکہ نعمت کا شکر ادا کرسکیں اور پریشانی میں صبر کرسکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس آزمائش میں کامیابی کیسے ملے، وہ کیا طریقہ ہے جس پر چل کر انبیاء کرام اور اہل ایمان کامیاب ہوگئے، ان کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اس کا جواب ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے دیا ہے:

''عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وليسَ ذاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أصابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكانَ خَيْرًا له، وإِنْ أصابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ فَكانَ خَيْرًا له''

''مومن کا معاملہ بڑا تعجب خیز ہے، یقیناً مومن کا سارا معاملہ بھلائی کا ہوتا ہے اور ایسا سوائے مومن کے کسی کے لیے نہیں ہے، اگر اسے خوشی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ صبر کرتا ہے تو اس کے لئے بہتر ہوتا ہے'' [صحيح مسلم:٢٩٩٩]

ایک انسان کی دو ہی حالت ہوسکتی ہے، اگر وہ نعمت پائے تو اسے شکر ادا کرنا چاہیے، جیسا انبیاء کرام اور اہل ایمان کرتے ہیں اور اگر پریشان ہو تو صبر کرے جیسا کہ انبیاء کرام اور اہل ایمان کرتے ہیں۔

آزمائش کا مقابلہ کرنے اور اس میں کامیابی کے لئے ان دو صفات کو سمجھنا، سیکھنا اور برتنا ضروری ہے۔ اور تقویٰ کا زادسفر لینا ہرگز نہ بھولیں۔

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾

''اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ (ڈر) ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو'' [سورہ البقرة :١٩٧]

جاری.....

عقیدۂ واسطیہ سے متعلق چند سوالات

عامر انصاری

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''العقیدۃ الواسطیۃ'' عقیدہ کے موضوع پر اہم کتاب ہے۔اس کتاب کو علماء نے خوب پڑھا، پڑھایا، حفظ کیا۔کتاب نصوص سے مزین ہے۔شروع میں قرآنی آیات ہیں ان کے بعد احادیث کا تذکرہ ہے۔توحید اسماء وصفات، ایمان بالیوم الآخر اور غیبیات سے متعلق اہم معلومات کتاب میں موجود ہیں۔بیشتر مدارس میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔اس کتاب کی متعدد شرحیں ہیں۔ان میں ایک شرح شیخ خلیل ہرّاس کی ہے۔ اسی شرح کو سامنے رکھتے ہوئے طلبہ کی آسانی کی خاطر کچھ سوالات ترتیب دیے گئے ہیں۔امید کہ احباب، اخوان، علماء، مدرسین شرف قبولیت سے نوازیں گے۔اور طلبہ کے مراجعہ واستفادہ لیے یہ سوالات معاون ثابت ہوں گے۔ سوال کی نمبرنگ کی گئی ہے۔مطلوبہ جواب کا صفحہ نمبر بھی لکھ دیا گیا ہے۔تاکہ طلبہ سوال وجواب کی شکل میں نوٹ بنا سکیں اور اپنی صوابدید سے حذف واضافہ کرسکیں۔کتاب کا طبع سادس (چھٹا ایڈیشن) پیش نظر رہا ہے جو مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس سے ۲۰۱۴ء میں مطبوع ہے۔

س۱۔ **ما معنى الرحمٰن والرحيم؟** [ص:۱۷]

س۲۔ **ما معنى الحمد والشكر؟** [ص:۱۸۔۱۹]

س۳۔ **ما معنى الحمد، وما هو نوعية "ال"؟**[ص:۱۹]

س۴۔ **ما معنى الرسول في اللغة والاصطلاح؟** [ص:۲۰]

س۵۔ **كم رسولا ذكرهم الله في القرآن؟** [ص:۲۹]

س۶۔ **من هم أولو العزم من الرسل؟** [ص:۳۰]

س۷۔ **ما معنى الهدى، واذكر أنواعه؟** [ص:۲۰۔۲۱]

س۸۔ **ما معنى الدين؟** [ص:۲۱]

س۹۔ **ما معنى الشهادة؟** [ص:۲۳]

س۱۰۔ **اذكر معنى الصلاة؟** [ص:۲۵۔۲۶]

س۱۱۔ **من هم آل الرسول صلى الله عليه وسلم؟** [ص:۲۶]

س۱۲۔ **اذكر أركان الإيمان؟** [۲۸۔۳۰]

س۱۳۔ عرف الملائكة؟ [ص: ۲۸۔۲۹] س۱۴۔ عرف الكتب؟ [ص:۲۹]

س۱۵۔ ما المراد بالبعث؟ [ص:۳۰۔۳۱] س۱۶۔ ما المراد بالقدر؟ [ص:۳۱]

س۱۷۔ ما معنى الإيمان بالله؟ [ص:۳۱۔۳۲]

س۱۸۔ عرف التحريف والتكييف والتمثيل والتعطيل والالحاد؟ [ص:۳۲۔۳۵]

س۱۹۔ هل يفوض السلف؟ [ص:۳۳]

س۲۰۔ ماذا قال الإمام مالک عن "الاستواء"؟ [ص:۳۳]

س۲۱۔ ما موقف أهل السنة والجماعة من توحيد الأسماء والصفات؟ [ص:۳۱۔۳٤]

س۲۲۔ اذكر أنواع القياس، مع ذكر القياس الذى يستعمل فى حق الله تعالى؟ [ص:۳۷۔۳۸]

س۲۳۔ كيف يستعمل الإثبات والنفى فى حق الله عزوجل؟ (مجمل ومفصل)[ص:٤۲۔٤۳]

س۲۴۔ اذكر فضل سورة الإخلاص، وكيف تعدل ثلث القرآن؟ [ص:٤٥]

س۲۵۔ ما هو أعظم آية فى كتاب الله؟ [ص:٤۷۔٤۹]

س۲۶۔ بماذا فسر ابن عباس "الصمد"؟[ص:٤۷]

س۲۷۔ ما هو الاسم الأعظم؟ [ص:٥۰]

س۲۸۔ اذكر خمس فوائد عقدية من آية الكرسى؟ [ص:٥۰۔٥۲]

س۲۹۔ ما هو تفسير الأول والآخر والظاهر والباطن كما جاء فى الحديث؟ [ص:٥۳]

س۳۰۔ اذكر أدلة العلم؟ [ص:٥٥۔٥۷]

س۳۱۔ اذكر دليل السميع والبصير؟ [ص:٦۰]

س۳۲۔ اذكر أدلة الإرادة والمشيئة؟ [ص:٦۱۔٦۳]

س۳۳۔ اذكر أنواع الإرادة؟ [ص:٦۲]

س۳۴۔ اذكر أدلة الحب/المحبة؟ [ص:٦٤]

س۳۵۔ اذكر أدلة الرحمة؟ [ص:٦۹۔۷۰]

س۳۶۔ اذكر أدلة الرضى والغضب واللعن والكره والسخط والمقت والأسف؟ [ص ۷۱۔ ۷۲]

س۳۷۔ أجب عن قوله تعالىٰ فى القاتل عمدا "خالدا فيها"؟ [ص:۷۳]

س۳۸۔ اذکر دلیل القدوم والإتیان والمجیء ؟ [ص:٧٤]

س۳۹۔ اذکر دلیل الوجه؟ [ص:٧٥] س۴۰۔ اذکر دلیل الید؟ [ص:٧٧۔٧٨]

س۴۱۔ اذکر دلیل العین؟ [ص:٧٨۔٧٩] س۴۲۔ اذکر دلیل السمع؟ [ص:٨١۔٨٢]

س۴۳۔ اذکر دلیل المکر والکید؟ [ص:٨٣]

س۴۴۔ اذکر دلیل العفو والقدرة والمغفرة والرحمة والعزة والجلال والاکرام؟[ص ٨٥۔ ٨٨]

س۴۵۔ اذکر الدلیل علٰی نفی السمی والکفؤ والند والولد والشریک والولی؟ [٨٨۔٩٣]

س۴۶۔ اذکر أنواع القیاس؟ [ص:٩٥]

س۴۷۔ ما هو القیاس الذی یستعمل فی حق اللّٰه عزوجل؟ [ص:٩٥]

س۴۸۔ کم مرة جاء ذکر الاستواء علی العرش فی القرآن؟ [ص:٩٨]

س۴۹۔ اذکر آیات الاستواء علی العرش؟ [ص:٩٦۔٩٩]

س۵۰۔ اذکر معانی الاستواء الأربع؟ [ص:٩٨]

س۵۱۔ ماذا قال الإمام مالک عن الاستواء ؟ [ص:٩٨]

س۵۲۔ اذکر آیات العلو للّٰه عز وجل؟ [ص:١٠١۔١٠٢]

س۵۳۔ اذکر دلیلین من القرآن علٰی صفة المعیة؟ [ص:١٠٣۔١٠٥]

س۵۴۔ اذکر أنواع المعیة مع ذکر الدلیل لکل منهما؟ [ص:١٠٣ (حاشیة)]

س۵۵۔ اذکر أدلة القول والکلام والنداء من القرآن؟ [ص:١٠٥۔١٠٩]

س۵۶۔ اذکر دلیلا من القرآن علٰی أن القرآن کلام اللّٰه؟ [ص:١٠٩]

س۵۷۔ اذکر دلیلین من القرآن علٰی أن المؤمنین یرون ربهم یوم القیامة؟ [ص:١١٢۔١١٣]

س۵۸۔ ماذا تعرف عن الصفات الذاتیة والصفات الفعلیة؟ [ص:١١٦(حاشیة)]

س۵۹۔ من المخالف لأهل السنة فی باب الأسماء والصفات، اذکر اثنین فقط؟ [ص:١١٧ (حاشیة)]

س۶۰۔ اشرح قول المصنف رحمه اللّٰه "فالسنة تفسر القرآن وتبینه وتدل علیه وتعبر عنه" [ص:١١٩]

س۶۱۔ ما هو تفسیر الأول والآخر والظاهر والباطن؟ [ص:١٣٣]

س۶۲۔ اشرح قول المصنف عن أهل السنة والجماعة"هم الوسط فی فرق الأمة کما أن

الأمة هى الوسط فى الأمم"[ص:١٣٦-١٤٤]

س٦٣- هل علو الله سبحانه وتعالىٰ ينافى قربه ومعيته؟ [ص:١٤٦-١٤٨]

س٦٤- ما هو عقيدة أهل السنة والجماعة فى القرآن؟ [ص:١٥٠]

س٦٥- اذكر دليلا من الحديث على الصفات التالية؟

النزول، الفرح، الضحك، العجب، القدم/الرجل، القول، الكلام، العلو، السميع والبصير والقريب، رؤية المؤمنين ربهم يوم القيامة؟ [ص:١٢١-١٣٥]

س٦٦- ما المراد بالإيمان باليوم الآخر؟ [ص:١٥٤-١٦٦]

س٦٧- ماذا تعرف عن فتنة القبر ونعيمه وعذابه؟ [ص:١٥٤]

س٦٨- ماذا تعرف عن الحساب، واذكر أنواعه؟ [ص:١٥٩]

س٦٩- اذكر أوصاف الحوض؟ [ص:١٦٠]

س٧٠- كيف يمر الناس على الصراط؟ [ص:١٦٠-١٦١]

س٧١- اكتب ما تعرف عن الشفاعة؟ [ص:١٦٢-١٦٤]

س٧٢- ماذا تعرف عن القدر، واذكر مراتب القدر الأربعة؟ [ص:١٦٦-١٧٢]

س٧٣- ما هى عقيدتنا عن خلق أفعال العباد، اذكرها مع الدليل؟ [ص:١٧٣-١٧٤]

س٧٤- عرف الإيمان عند أهل السنة والجماعة؟ [ص:١٧٨]

س٧٥- اذكر عقيدة أهل السنة والجماعة عن مرتكبى الكبيرة/ماذا نقول عن مرتكبى الكبيرة؟ [ص:١٧٩-١٨٢]

س٧٦- ما هى عقيدة أهل السنة والجماعة عن صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم، اذكرها مفصلا مقرونا بالأدلة؟ [ص:١٨٣-١٨٩]

س٧٧- ما هى عقيدتنا عن أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ [ص:١٩٠]

س٧٨- ما موقفنا عما شجر بين الصحابة رضى الله عنهم أجمعين؟ [ص:١٩١]

س٧٩- ما هى عقيدتنا عن كرامات الأولياء ، اذكر كرامة واحدة جاء ذكرها فى القرآن؟ [ص:١٩٥]

تمت الأسئلة. الحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات.

(قسط ثانی)

آصف حسین رافضی اپنی تحریروں کے آئینے میں
بجواب
کفایت اللہ سنابلی اپنے اصولوں کے آئینے میں

تحریر: انصاری محبوب

نام نہاد تضاد نمبر(۱۱) کی حقیقت:

آصف صاحب یہاں دو مختلف مقامات سے عبارتیں نقل کر کے لکھتے ہیں:

ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔۔۔دونوں روایتوں میں مجہول شخص روایت کر رہا ہے لیکن ایک جگہ کتاب کے صفحات بڑا کر کے اس کو نقل کیا جاتا ہے دوسری جگہ اس کو مردود قرار دیا جا رہا ہے۔۔۔عجیب!

عرض ہے آصف صاحب آپ کی سمجھ سے یہ عبارتیں بالاتر ہی ہوں گی کیونکہ آپ کے سقیم فہم کا مشاہدہ ہم نے کئی مقام پر کیا ہے اس لیے آپ کا یہ شکوہ بھی ہم دور کر دیتے ہیں۔پہلی عبارت میں مستدل مفہوم کی صحیح روایت سے تائید ہو رہی تھی، جبکہ دوسری عبارت کا معاملہ ایسا نہیں۔اس لیے اس دوسری عبارت والی روایت مردود ہے، بڑا افسوس ہے آپ پر، اتنی آسان بات تک آپ سمجھنے سے قاصر ہیں اور لکھنے بیٹھے تناقض!

نام نہاد تضاد نمبر(۱۲) کی حقیقت:

اس اعتراض میں بھی ڈاکٹر صاحب نے کتاب سے دو الگ الگ مقامات سے عبارتیں پیش کیں اور کہتے ہیں:

اسے کہتے ہیں۔۔۔ہم کریں تو واویلا اور آپ کریں تو سبحان اللہ!

مختصراً عرض ہے کہ پہلے مقام پر حقائق سے روگردانی کرتے ہوئے محض جذباتی رنگ دینے کا ذکر ہے، جبکہ دوسرے مقام پر اصلاً مبنی بر حقیقت بات کہی گئی ہے جس میں بے بنیاد الزامات کا رد ہے اور یہی تو اس کتاب کا موضوع ہے کہ یہ جملہ الزامات جو یزید بن معاویہ پر لگائے جاتے ہیں وہ ثابت نہیں، اس لئے آپ کا یہ واویلا بے محل ہے۔

نام نہاد تضاد نمبر(۱۳) کی حقیقت:

آصف صاحب نے یہاں دو عبارتیں پیش کر کے ہمیشہ کی طرح تناقض تناقض کی گردان گائی ہے جبکہ یہاں کوئی

تضاد دور دور تک نظر نہیں آتا، بے جوڑ عبارتیں جمع کر کے تضاد کی راگ الاپا ہے، تضاد تب ہوتا جب پہلی بات میں کچھ اور کہا گیا ہوتا، اور دوسری بات میں اس کے برعکس بات کہی گئی ہوتی، جبکہ دوسری بات میں ایسی کوئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں تو یہ تضاد کیسے؟؟؟

نام نہاد تضاد نمبر (۱۴) کی حقیقت:

عادت کے مطابق یہاں بھی ڈاکٹر صاحب کو ایک تضاد نظر آ رہا تھا اس پر وہ دو عبارتیں پیش کرتے ہیں، پر اس مرتبہ شیخ کی دوسری کتاب سے یعنی ''انوار البدر'' سے عبارتیں پیش کرتے ہیں ان دونوں عبارتوں سے اخذ کردہ نام نہاد تضاد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

شیخ حفظہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے ایک ہی کلام ایک جگہ قبول کرتے ہیں اور دوسری جگہ رد کر دیتے ہیں۔

جواباً عرض ہے:

ڈاکٹر صاحب کی جس فہم وفراست کا مشاہدہ ہم نے پہلے کیا تھا یہاں بھی یہی دیکھنے کو مل رہا ہے، دراصل پہلی عبارت میں شیخ حفظہ اللہ نے ابن حجر رحمہ اللہ سے وہ کلام نقل کیا ہے جس میں ابن عدی رحمہ اللہ کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کی تشریح تھی، وہ بھی ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی تغلیط میں، جبکہ دوسری عبارت میں ابن عدی رحمہ اللہ نے جو مفہوم امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کیا ہے اس پر بحث ہے، بالفاظ دیگر پہلی عبارت میں ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی تردید تھی، اور دوسری عبارت میں ابن عدی رحمہ اللہ کے قول کی تردید تھی، اور ان دونوں نقول کی نوعیت ہی بالکل مختلف ہے، اب اس پر بھی کوئی یہ کہے کہ یہاں ابن عدی کے ایک کلام کو ایک جگہ لے لیا گیا اور دوسری جگہ اسی کلام کو رد کر دیا گیا، تو ایسا شخص نرا جاہل اور اعلیٰ درجے کا احمق ہی ہو سکتا ہے۔

نام نہاد تضاد نمبر (۱۵) کی حقیقت:

معترض نے یہاں بھی کتاب کے دو الگ مقامات سے عبارتیں نقل کی اور کہا: اگر سنابلی صاحب کا دعویٰ ہے کہ پہلا اعتراض الزامی تھا تو اس بات کی کسی جگہ صراحت نہیں کی ہے بلکہ حافظ زبیر علی زئی کو طعن کرنے کے لیے سیاہی ضائع کی ہے۔

اولاً تو پہلی عبارت کوئی الزامی نہیں تھی، پتہ نہیں ہمارے اس کج فہم محلک کو کیا سوجھی جو الزامی کا نوٹ لکھ مارا، خیر پہلی عبارت دوسری عبارت کے قطعاً مخالف یا متضاد نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یہاں کچھ خاص تبصرہ نہیں کیا ہے کہ ان کا مدعا سمجھنے کی کوشش کی جاتی، تاہم ہمیں یہاں جو ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ کی ڈاکٹر صاحب کا مقصود یہ ہے کہ شیخ حفظہ اللہ نے عبدالوہاب کی مرویات میں ان کا اختلاط مضر نہیں یہ کہا جبکہ دوسری عبارت میں اختلاط کی بنیاد پر عبدالوہاب کی خاص روایت رد کر رہے ہیں۔

اگر ڈاکٹر صاحب کا یہی مقصود ہے تو شیخ حفظہ اللہ نے اس شبہ کا جواب خود ہی پیش کیا ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے اسکین کی شکل میں خود ہی نقل کیا، پر افسوس ڈاکٹر صاحب اسے گول کر گئے، اور یہاں اگر ڈاکٹر صاحب کی ان عبارات سے مراد کچھ اور ہے تو وہ اس کی وضاحت کریں۔

شیخ حفظہ اللہ نے مذکورہ شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

حافظ زبیر علی زئی صاحب نے کم از کم اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ اخیر میں مختلط ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ محض یہ بات بھی عبدالوہاب ثقفی کو متکلم فیہ کہنے کے لیے کافی ہے اور محض اسی بات کی وجہ سے عبدالوہاب ثقفی کی ثقاہت کا درجہ ان رواۃ کے بالمقابل کم ہو جائے گا جو بالاتفاق ثقہ ہیں اور ان پر کسی نے کلام نہیں کیا ہے۔ (یزید بن معاویہ پر۔۔۔۔۔ ۲۳۹۔۲۴۰)

شیخ حفظہ اللہ نے واضح طور پر کہا ہے اختلاط وغیرہ کی جرح متکلم فیہ بتلانے کے لیے بیان کی گئی تھی، ان کے متکلم فیہ ہونے پر اس وقت بحث کی گئی جب ایک ہی روایت کو دیگر رواۃ کے خلاف انہوں نے مختلف طور سے بیان کیا جبکہ دیگر رواۃ الگ طور سے بیان کرتے ہیں وگرنہ شیخ حفظہ اللہ نے عام حالت میں ان کو معتبر سمجھتے ہیں۔

نام نہاد تضاد نمبر (۱۶) کی حقیقت:

اس مقام پر ڈاکٹر صاحب نے شیخ حفظہ اللہ کی کتاب سے اس بحث کو نقل کیا جو سب وشتم کی ممانعت پر تھی اور اس کے بالمقابل وہ عبارتیں پیش کیں جن میں سبائیوں کو جھوٹا مکار وغیرہ کہا گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اگر کسی نے واقعی میں جھوٹ اور مکاری کی خصلت کو اپنائے رکھا ہے تو اسے اس خصلت سے متصف بتلانا یہ اس پر سب وشتم نہیں ہے۔ بلکہ جھوٹ اور مکاری کی خصلت کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی پر گھٹیا

تہمتیں باندھنا اور اس کے لئے بازاری زبان استعمال کرنا یہ سب وشتم ہے۔

نام نہاد تضاد نمبر(۱۷) کی حقیقت:

حسب سابق یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنی جہالت اور کم عقلی کا ثبوت دیا ہے، تعجب ہے کہ جن کو اردو عبارت تک سمجھ میں نہیں آتی وہ نہ جانے کیسے تناقضات گنوانے کا شوق پالتے ہیں، موصوف نے یہاں کتاب سے ایک مقام کی عبارت نقل کی جس میں یہ ذکر کیا گیا تھا کی ابن عدی رحمہ اللہ کا اپنی کتاب ''الکامل'' میں عام منہج یہی ہے کہ وہ منکر روایت ذکر کرتے ہیں۔ اب اس کے برخلاف جو عبارت ڈاکٹر صاحب نے پیش کی وہ یہ کی شیخ حفظہ اللہ نے کتاب میں ایک مقام پر خود ایسی روایت کو صحیح کہا اور استدلال کیا جو اسی کتاب یعنی ''الکامل'' میں بھی موجود تھی اور ڈاکٹر صاحب بڑے طمطراق انداز میں کہتے ہیں:

سنابلی صاحب کی کتاب سے یہ بات عیاں ہے کہ ان کو جلدی بھول جانے کی بیماری ہے اس لیے پہلے کچھ لکھتے ہیں اور بعد میں خود اس کا رد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ایک اور عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں:

عجیب! سنابلی صاحب نے اوپر اصول بنایا ہے کہ کتاب الضعفاء کی روایات منکر ہوتی ہے تو پھر منکر روایت صحیح کیسے ہوگی نکارہ متن میں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب!

آپ کے اعتراضات دیکھ کر ہم پر اچھی طرح واضح ہو چکا ہے کہ آپ خود ایک بیماری میں ملوث ہیں وہ ہے آپ کا کند ذہن و کج فہم ہونا، اتنی آسان اور عام فہم باتیں بھی آپ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

دراصل شیخ حفظہ اللہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ ''الکامل'' میں ابن عدی رحمہ اللہ کے نزدیک عمومی طور پر منکر روایات ذکر کی گئی ہیں، اب ایسا لازم تو نہیں کی جو روایت ابن عدی رحمہ اللہ کے نزدیک منکر ہو وہ شیخ حفظہ اللہ کی نزدیک بھی منکر ہو، شیخ نے ابن عدی رحمہ اللہ کا منہج بیان کیا تھا، یہ تو نہیں کہا تھا کہ ہر روایت سے متعلق ان کا یہ فیصلہ بھی درست ہے۔ پھر اگر شیخ نے الکامل کی کسی روایت کو مقبول بتایا تو یہ تضاد کہاں؟؟

☆☆☆

(آٹھویں قسط)

تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

کفایت اللہ سنابلی

سند پر دوسرا اعتراض: طریق پر

(الف): طریق ''طاؤس عن ابن عباس'' پر نکارت کا اعتراض

بعض لوگ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ طاؤس جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کریں تو ان کی روایت منکر ہوتی ہے، جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے۔

عرض ہے کہ دنیا کے کسی بھی محدث نے ''طاؤس عن ابن عباس'' کے طریق پر منکر کی جرح نہیں کی ہے، اس سلسلے میں جتنے بھی اقوال پیش کئے جاتے ہیں وہ ناقدین محدثین کے اقوال نہیں ہیں بلکہ عام اہل علم کی باتیں ہیں اور یہ باتیں بھی محض اس بنیاد پر کہی گئی ہیں کہ ابن عباس سے تین طلاق کے ایک ہونے کی بات صرف طاؤس نے نقل کی ہے باقی لوگوں نے ان سے طلاق کے تین ہونے کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

اور ماقبل میں امام طاؤس رحمہ اللہ پر شذوذ کے اعتراض کے تحت تفصیل سے اس کا جوب دیا جاچکا ہے۔

اب آیئے اس سلسلے میں پیش کئے جانے والے بعض کلام کو دیکھ لیتے ہیں۔

❁ زاہد کوثری صاحب حسین بن علی الکرابیسی (المتوفی ۲۴۸) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقال الكرابيسي في أدب القضاء ، إن طاؤسا يروى عن ابن عباس أخبارا منكرة ونراه والله أعلم أنه أخذها عن عكرمة ، توقاه سعيد ابن المسيب وعطا وجماعة وكان قدم على طاؤس و أخذ طاؤس عن عكرمة عامة مايرويه عن ابن عباس''

''کرابیسی نے ادب القضاء میں کہا ہے کہ طاؤس یہ ابن عباس سے منکر روایات بیان کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان روایات کو انہوں نے عکرمہ سے سنا ہے، اس سے ابن المسیب، عطاء اور ایک جماعت نے دوری اختیار کی، اور یہ طاؤس کے پاس آئے تھے اور طاؤس نے عکرمہ ہی سے وہ روایات لی ہیں جو عام طور سے ابن عباس رضی للہ عنہ سے بیان کرتے ہیں'' [اشفاق فی أحكام الطلاق: ص:٤٩]

عرض ہے کہ:

❁ اولاً:

کرابیسی کی کتاب ''ادب القضاء'' دستیاب نہیں ہے اور زاہد کوثری غالی حنفی کے نقل پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

❁ ثانیاً:

خود کرابیسی پر شدید جرح ہے حتیٰ کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے کافر کہا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، بلکہ زاہد کوثری نے خود کرابیسی کے بارے میں کہا:

''**متکلم فیه**''، اس پر کلام کیا گیا ہے۔[تأنیب الخطیب :ص:۳۵٦، دوسرا نسخه ص۱۸٤]

❁ ثالثاً:

کرابیسی ناقد ائمہ میں سے نہیں ہیں، اور ناقدین ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی ہے جو کرابیسی سے نقل کی گئی ہے، اس لئے کرابیسی کی بات غیر مقبول ہے۔

❁ رابعاً:

کرابیسی کا اعتراض طاؤس کی ان روایات پر ہے جنہیں طاؤس رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خود نہیں سنے ہوتے ہیں بلکہ عکرمہ سے سن کر اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہی۔ لیکن صحیح مسلم کی زیر بحث حدیث کو طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خود سنا ہے نا کہ عکرمہ سے سن کر ابن عباس سے روایت کیا ہے، چنانچہ:

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵) نے کہا:

''**نا محمد بن مخلد، والعباس بن العباس بن المغیرة ،قالا: نا أحمد بن منصور بن سیار، عن عبد الرزاق، أنا معمر، عن ابن طاؤس، عن أبیه، قال: سمعت ابن عباس ،یقول: ''کان الطلاق علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکر وسنتین من خلافة عمر: الثلاثة واحدة ،فقال عمر: إن الناس قد استعجلوا فی أمر کانت لهم فیه أناة فلو أمضیناه علیهم فأمضاه علیهم**''

''طاؤس کہتے ہیں کہ **میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا:** ''کہ عہد رسالت اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایسے معاملے میں جلد بازی شروع کردی ہے جس میں انہیں کے لئے مہلت تھی، اس لئے اگر ہم لوگوں پر اسے نافذ کردیں تو؟ پھر انہیں لوگوں پر اسے نافذ کردیا'' [سنن الدارقطنی، ت الارنؤوط:۵/۸٤، وإسناده صحیح]

اس روایت میں طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع کی صراحت کردی ہے لہٰذا کرابیسی کا کلام ثابت بھی ہو تو بھی

یکسر مردود ہے۔

❁ ابوجعفر النحاس النحوی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۳۸) نے کہا:

"وطاؤس وإن كان رجلا صالحا فعنده عن ابن عباس مناكير يخالف عليها ولا يقبلها أهل العلم منها أنه:روى عن ابن عباس، أنه قال في رجل قال لامرأته أنت طالق ثلاثا إنما يلزمه واحدة"

"طاؤس گرچہ نیک آدمی تھے لیکن ان کے پاس ابن عباس کی منکر روایات تھیں، جن میں ان کی مخالفت کی جاتی ہے اور اہل علم اسے قبول نہیں کرتے، انہیں میں سے وہ روایت بھی ہے جسے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی کہ یہ ایک ہی طلاق ہوگی" [الناسخ والمنسوخ للنحاس :ص: ۲۳۰]

عرض ہے کہ:

أبوجعفر النحاس رحمہ اللہ نے یہاں جو کچھ کہا ہے اس کے لئے طاؤس کے نقل کردہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کو بنیاد بنایا ہے جس میں تین طلاق کو ایک ماننے کا ذکر ہے۔ اور ماقبل میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی صرف طاؤس نے نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دیگر شاگردوں مثلاً عکرمہ وغیرہ نے بھی نقل کر رکھا ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے طاؤس کو منفرد سمجھ کر ان کی بات رد کی ہے ان کا فیصلہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اسی طرح ان کے فتویٰ کو اہل علم کی ایک جماعت کی طرف سے ہر صدی میں قبول کیا گیا ہے جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے بلکہ عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال سے قبل تو اس روایت کی قبولیت اور اس پر عمل کرنے پر پوری امت کا اجماع تھا۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طاؤس عن عباس کے طریق سے مروی ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

"وقد تلقى العلماء ذلك بالقبول"

"اس روایت کو علماء کے یہاں تلقی بالقبول حاصل ہے" [فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة:۹/۳۰۴]

لہٰذا ابوجعفر النحاس کا یہ کہنا کہ اس طریق سے مروی روایت کو اہل علم قبول نہیں کرتے غلط ہے۔

(ب): طریق "طاؤس عن ابن عباس" میں اضطراب کا اعتراض

❁ اضطراب کا پہلا اعتراض:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کسی سند میں طاؤس نے ابن عباس سے بغیر واسطہ کے روایت کیا ہے اور کسی سند میں انہوں نے ابوالصھباء کا واسطہ ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ سند میں اضطراب ہے۔

ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۵۶) نے کہا:

"وقد اضطرب فيه طاؤس. فمرة رواه عن أبي الصهباء ، ومرة عن ابن عباس نفسه "

''اس میں طاؤس سے اضطراب ہوا ہے انہوں نے کبھی ابوالصھباء سے روایت کیا اور کبھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے'' [المفهم للقرطبي: ٢٤١/٤]

عرض ہے کہ یہ محض غلط فہمی اور ناسمجھی ہے کیونکہ امام طاؤس نے کسی بھی سند میں ابوالصہبا کے واسطے سے یہ روایت نقل نہیں کی ہے بلکہ ہر سند میں انہوں نے خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ڈائریکٹ یہ روایت نقل کی ہے۔

اور جس روایت میں ابوالصہباء کا ذکر ہے اس میں یہ بیان ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابوالصہباء کے سوال پر یہ حدیث بیان کی ہے، لیکن جب ابن عباس رضی اللہ عنہ ابوالصہباء کے سوال کے جواب میں یہ حدیث بیان کررہے تھے تو اس وقت امام طاؤس بھی وہاں موجود تھے اور ابن عباس کی بیان کردہ حدیث سن رہے تھے۔

بالفاظ دیگر یہ سمجھ لیں کہ ابوالصہباء اس حدیث کے راوی نہیں ہیں بلکہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کررہے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کو جواب دے رہے تھے اور اس سوال وجواب کے وقت وہاں امام طاؤس بھی موجود تھے، اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو امام طاؤس نے ان کے سامنے اپنے کانوں سے یہ حدیث سنی، چنانچہ امام دارقطنی کی سند اوپر پیش کی جاچکی ہے اس میں طاؤس نے صراحت کے ساتھ کہا ہے:

سمعت ابن عباس، يقول.....:الخ

''طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا.....الخ'' [سنن الدارقطني، ت الارنؤوط: ٥/ ٨٤ وإسناده صحيح]

اور مصنف عبدالرزاق میں طاؤس کے الفاظ ہیں:

قال:"دخلت على ابن عباس ومعه مولاه أبو الصهباء ، فسأله أبو الصهباء ....."

طاؤس کہتے ہیں کہ:''میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ان کے ساتھ ان کے مولی ابوالصھباء تھے تو ابوالصھباء نے ان سے سوال.....'' [مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمي:٦/ ٣٩٢، وإسناده صحيح]

معلوم ہوا کہ طاؤس اور ابن عباس کے بیچ کسی کا واسطہ نہیں بلکہ طاؤس نے اس حدیث کو ڈائریکٹ ابن عباس رضی اللہ عنہ

سے سنی ہے اور ابوالصہباء کا ذکر سند کے اندر نہیں ہے بلکہ یہ بتانے کے لئے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ابو الصہباء کے پوچھنے پر بیان کی تھی۔

نیز بطور الزام عرض ہے کہ فریق مخالف تین طلاق کے تین ہونے سے متعلق صحابہ کے فتاویٰ سے متعلق جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں بھی بعض روایات کی سندوں میں یہ صورت پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو:

❁ پہلی مثال:

تین طلاق کو تین بتانے سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ والی یہ روایت دیکھئے:

نا أبو بكر ،نا أبو حميد المصيصى ،نا حجاج ، نا شعبة ، أخبرنى عمرو بن مرة ،قال:سمعت ماهان يسأل سعيد بن جبير عن رجل طلق امرأته ثلاثا، فقال سعيد:سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة ،فقال:"ثلاث تحرم عليك امرأتك وسائرهن وزر ،اتخذت آيات اللّٰه هزوا "

عمرو بن مرۃ کہتے ہیں کہ میں نے ماھان کو سنا انہوں نے سعید بن جبیر سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تو سعید نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاق دے دی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''تین طلاق نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا اور بقیہ کا تجھ پر گناہ ہے تو نے اللہ کی آیات کو مزاق بنایا'' [سنن الدارقطنی :۲٤/٥]

اس روایت میں ماھان نامی ایک شخص کا ذکر ہے جس نے سعید بن جبیر سے سوال کیا تھا اور اسی کے جواب میں سعید بن جبیر نے ابن عباس کا فتویٰ بتایا۔

لیکن اسی روایت کی دوسری سند اس طرح ہے:

عن الثورى، عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير قال:"جاء ابن عباس رجل فقال:طلقت امرأتى ألفا، فقال ابن عباس:ثلاث تحرمها عليك، وبقيتها عليك وزرا.اتخذت آيات اللّٰه هزوا"

عمرو بن مرۃ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے دی، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تین طلاق نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا اور بقیہ کا تجھ پر گناہ ہے تو نے اللہ کی آیات کو مزاق بنایا'' [مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمی:٦/٣٩٧]

اس سند میں سعید بن جبیر سے سوال کرنے والے ماھان کا ذکر نہیں ہے۔

تو کیا اب یہ کہہ دیا جائے کہ یہ روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ کسی سند میں ماھان کا واسطہ ہے اور کسی سند میں یہ واسطہ نہیں ہے؟

❁ دوسری مثال:

تین طلاق کو تین بتانے سے متعلق مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ والی یہ روایت دیکھئے:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أخبرني محمد بن أحمد بن بالويه، نا محمد بن غالب، نا عبيد اللّٰه بن معاذ، نا أبي، نا شعبة، عن طارق بن عبد الرحمٰن قال:سمعت قيس بن أبي حازم قال : "سأل رجل المغيرة بن شعبة وأنا شاهد، عن رجل طلق امرأته مائة قال:ثلاث تحرم وسبع وتسعون فضل "

قیس بن حازم کہتے ہیں: ''کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا اور میں موجود تھا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاق دے دی، تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تین طلاق اس کی بیوی کو حرام کردے گی، اور ننانوے طلاق زیادتی ہے'' [السنن الكبرىٰ للبيهقي:٥٤٩/٧]

اس روایت میں سوال پوچھنے والے ایک رجل شخص کا ذکر ہے جس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا اور اسی کے جواب میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا۔

لیکن اسی روایت کی دوسری سند اس طرح ہے:

حدثنا غندر، عن شعبة، عن طارق، عن قيس بن أبي حازم: "أنه سمعه يحدث عن المغيرة بن شعبة ، أنه سئل عن رجل طلق امرأته مئة ؟ فقال :ثلاث يحرمنها عليه ، وسبعة وتسعون فضل"

قیس بن حازم کہتے ہیں: ''کہ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا، ان سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاق دے دی، تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تین طلاق اس کی بیوی کو اس پر حرام کردے گی، اور ننانوے طلاق زیادتی ہے'' [مصنف ابن أبي شيبة۔ سلفية: ١٣/٥]

اس سند میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سوال پوچھنے والے رجل شخص کا ذکر نہیں ہے۔

تو کیا اب یہ کہہ دیا جائے کہ یہ روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ کسی سند میں سوال پوچھنے والے رجل کا واسطہ ہے اور کسی سند میں یہ واسطہ نہیں ہے؟

یادرہے کہ ان دونوں مثالوں میں پیش کردہ روایات کو فریق مخالف صحیح سمجھتے ہیں اور بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ابوالعباس القرطبی رحمہ اللہ کی طرف سے اضطراب کا دعویٰ غلط ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۵۰) فرماتے ہیں:

"ومن الأجوبة دعوى الاضطراب كما زعمه القرطبي في المفهم، وهو زعم فاسد لا وجه له"

''اس حدیث کا ایک جواب دیتے ہوئے اس میں اضطراب کا دعویٰ کیا گیا ہے، جیسا کہ قرطبی نے المفہم میں گمان کیا ہے اور یہ گمان فاسد ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے'' [نيل الأوطار:٦/٢٧٧]

❁ اضطراب کا دوسرا اعتراض:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کسی روایت میں سائل کا نام ابوالصہباء ہے جبکہ کسی روایت میں سائل کا نام ابوالجوزاء ہے، لہٰذا یہ بھی اضطراب ہے۔

عرض ہے کہ:

❁ اولا:

یہ نام سند کے رواۃ میں سے نہیں ہے، اس لئے اگر اضطراب مان بھی لیا جائے تو سائل کا نام ثابت نہیں ہو پائے گا باقی اس کی سند اپنی جگہ صحیح ہوگی اور باقی حدیث کا پورا متن بھی صحیح ہوگا، کیونکہ سند اور بقیہ متن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

❁ ثانیاً:

اضطراب کے لئے ضروری ہے کہ دونوں روایت ایک ہی درجے کی ہوں۔

❁ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی ۶۴۳) نے کہا:

"المضطرب من الحديث: هو الذي تختلف الرواية فيه فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه آخر مخالف له، وإنما نسميه مضطربا إذا تساوت الروايتان. أما إذا ترجحت إحداهما بحيث لا تقاومها الأخرى بأن يكون راويها أحفظ، أو أكثر صحبة للمروي عنه، أو غير ذلك من وجوه الترجيحات المعتمدة، فالحكم للراجحة، ولا يطلق عليه حينئذ وصف المضطرب"

''مضطرب وہ حدیث ہے جس کی روایت میں اس طرح اختلاف ہو کہ بعض ایک طرح روایت کریں اور بعض اس

کے مخالف دوسری طرح روایت کریں، اور ہم ایسی حدیث کو اس وقت مضطرب کہیں گے جب طرفین کی روایت مساوی اور ایک درجے کی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں سے کوئی روایت راجح قرار پائے اس طرح کہ دوسری روایت اس کے ہم پلہ نہ ہو، بایں طور کہ اس کے روای احفظ ہوں یا مروی عنہ کے ساتھ اس نے زیادہ مدت گزاری ہو، یا اس کے علاوہ معتمد وجوہ ترجیحات میں سے کوئی ہو تو حکم راجح روایت کے اعتبار سے لگے گا اور ایسی صورت میں یہ روایت مضطرب نہیں ہوگی'' [مقدمة ابن الصلاح: ص: ٩٤]

۞ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی ٦٧٦) نے کہا:

''المضطرب هو الذى يروى على أوجه مختلفة متقاربة، فإن رجحت إحدى الروايتين بحفظ راويها أو كثرة صحبته المروى عنه، أو غير ذلك:فالحكم للراجحة، ولا يكون مضطرباً''

''مضطرب وہ حدیث ہے جو مختلف ایسے طرق سے مروی ہو جو آپس میں ہم پلہ ہوں اور اگر دو روایات میں ایک روایت راجح قرار پائے اس کے راوی کے احفظ ہونے کے سبب یا مروی عنہ کے ساتھ کسی راوی کی کثرت صحبت کے سبب یا کسی اور وجہ سے تو حکم راجح روایت کے اعتبار سے لگے گا اور ایسی صورت میں یہ روایت مضطرب نہیں ہوگی'' [التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير النذير فى أصول الحديث :ص:٦]

مزید تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب:[انوار البدر فى وضع اليدين على الصدر:٢٣٧، ٢٣٨]

اور یہاں دونوں روایات ایک درجہ کی نہیں ہیں بلکہ جس روایت میں ابوالصھباء کا نام ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہے بلکہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

اور جس روایت میں ابوالجوزاء کا نام ہے اس کی سند صحیح مسلم کے درجہ کی نہیں ہے بلکہ اس میں عبداللہ بن مؤمل کمزور حافظہ والا ہے جیسا کہ ماقبل میں وضاحت ہو چکی ہے، لہٰذا اس کا بیان مرجوح ہوگا اور صحیح مسلم والی حدیث راجح قرار پائے گی اور درست نام ابوالصہباء تسلیم کیا جائے گا۔ اور کوئی اضطراب باقی نہیں رہے گا۔

سند پر تیسرا اعتراض: غیر متعلق اقوال

صحیح مسلم کی زیر بحث حدیث کی سند پر اعتراضات کے لئے جن جن چیزوں کا سہارا لیا گیا سب کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اب آخر میں یہ بھی واضح کر دیں کچھ لوگ اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے بعض اہل علم کے ایسے اقوال پیش کرنے لگتے ہیں جن کا تعلق اس حدیث کی تضعیف نہیں ہے، مثلاً یہ کہ بعض اس حدیث کو منسوخ کہتے ہیں اور بعض اسے غیر معمول بہ کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

عرض ہے کہ ان باتوں کا اس حدیث کی تضعیف سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ان کے جوابات بھی ہم دوسرے مقامات پر دے چکے ہیں۔

اور بعض لوگوں نے تو حد کردی اور اس حدیث پر اعتراضات کرنے کے لئے بعض اہل علم کے ایسے اقوال بھی پیش کردئے جو کسی دوسری حدیث سے متعلق تھے۔ مثلاً:

❁ ابن رجب رحمہ اللہ کے حوالے سے بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

"كان علماء مكة ينكرون على طاؤس ماينفرد به من شواذ الأقوال "

"مکہ کے علماء طاؤس کے شاذ اور منفرد اقوال پر نکیر کرتے تھے" [السیر الحاث :ص :۲۹، اشفاق فی أحکام الطلاق: ص:٤٩]

عرض ہے کہ: مکہ کے ان علماء کی اس نکیر کا تعلق طاؤس کی روایت کردہ زیر بحث صحیح مسلم کی حدیث سے نہیں ہے بلکہ خود امام طاؤس کے اقوال وفتاویٰ سے ہے جن میں مکہ والے ان کو منفرد جانتے تھے، اس کی وضاحت اس روایت سے ہوجاتی ہے۔

محمد بن إسحاق المکی الفاکہی (المتوفی ۲۷۲) نے کہا:

حدثنا محمد بن منصور، قال:ثنا سفيان، عن ابن أبي نجيح، قال:تكلم طاوس، فقال:"الخلع ليس بطلاق، إنما هو فراق، فأنكر ذلك عليه أهل مكة، فقالوا:إنما هو طلاق، فاعتذر إليهم، وقال:لم أقل هذا، إنما قاله ابن عباس رضى الله عنهما"

ابن ابی نجیح کہتے ہیں کہ طاؤس نے فتویٰ دیا اور کہا: "خلع طلاق نہیں ہے بلکہ افتراق ہے، تو اہل مکہ نے اس بات کو غلط قرار دیتے ہوئے ان پر نکیر کی اور کہا بلکہ یہ طلاق ہے، تو طاؤس رحمہ اللہ نے اپنی تائید میں کہا کہ: یہ بات میں ہی نہیں کہتا بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فتویٰ دیا ہے" [أخبار مكة للفاكهي : ۳/ ۷۰،وإسناده حسن ، وقال الحافظ فی الفتح:۹/ ٤٠٣،أخرج إسماعيل القاضي بسند صحيح عن بن أبي نجيح☆☆☆فذكره]

یہ روایت واضح کرتی ہے مکہ کے علماء طاؤس کی روایت پر نہیں بلکہ ان کے اس فتویٰ پر نکیر کرتے تھے کہ خلع طلاق نہیں ہے۔

اور ہم ماقبل میں واضح کرچکے ہیں کہ اس سلسلے میں امام طاؤس کا فتویٰ ہی صحیح ہے۔

☆☆☆

IIC MONTHLY RATION PACKAGE

بیوہ، یتیم، غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں کا سہارا بنیں!

Bewah, Yateem, Gurba, Masakeen Aur Zarooratmando'n Ka Sahara Bane'in!

Per Package ₹1600/-

Rice 10 kg.	Wheat Flour(Chakki) 10 kg.	Tuwar Dal 1 kg.	Vatana Dal 1 kg.
Masoor Dal 1 Kg.	Sugar 2 kg.	Tea 500 gm.	Refined Oil 3 liter
Mirchi Powder 100 gm.	Dhaniya Powder 100 gm.	Haldi Powder 100 gm.	Salt 1 kg.

Distribute By : IIC-Mumbai

" Kya Aap Chahte Hai'n Ki Allah Ne Aapko Jo Riz'q Diya Hai Us Mei'n Se Ek Mahine Ka Ration Aap Kisi Zarooratmand Ko Dei'n ? "

Aiye Khidmate Khalq Ke Is Mission Mei'n
Hamara Ta'aawun Karei'n- Jazakumullahu Khaira

Contact Karen Call or Whatsapp : 8291 063 785

ICICI BANK : Account Name : ILM FOUNDATION (Savings),
Account No. : 102801002071 | IFSC : ICIC0001028,
Branch : Andheri link Road Mumbai

GooglePay, Paytm 8657458183

UPI QR Code

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mobile : 8080807836

Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | islamsmessage | iic mumbai

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

on: zoom

آخرت کا سفر

آن لائن کورس زوم ایپ پر

کتاب: قبر سے حشر تک - تالیف: محمد ابو القاسم فاروقی / حفظہ اللہ

استاد: شیخ ابو البیان رفعت سلفی / حفظہ اللہ

آئیے علم حاصل کریں، قرآن وسنت کی رہنمائی میں

- کورس کا آغاز: ان شاء اللہ بروز سنیچر 6 / اگست 2022
- کلاس ہفتہ میں صرف 2 / دن (سنیچر، اتوار)
- کلاس کا وقت: دوپہر 3 / بجے سے دوپہر 4 / بجے تک
- کورس کی مدت 4 / مہینہ
- امتحان دینے والے سبھی طلباء کو سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔
- امتحان: بروز اتوار 18 / دسمبر 2022

رجسٹریشن ضروری ہے۔

(مکمل کورس فیس: 200 روپئے)

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

For Admission Call Or WhatsApp
Brother's : +917045788256 | Sister's : 7045788253

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | iic mumbai

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post